اے۔بی۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم ۔ ۴ قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار فون نمبر رہائش ۔ ۲

جلد نمبر : ۱۵
شمارہ نمبر : ۱۱

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ
اگست ۱۹۸۰ء

اس شمارہ میں

مدیر ۔ سمیع الحق

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۔/۲۵ روپے ۔ فی پرچہ ۲/۵۰ روپے
بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

اس ماہ کا اہم واقعہ اسلام آباد میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے مختلف مکاتبِ فکر کے جید علماء، نامور کا کنونشن تھا۔ اس دو روزہ کنونشن میں ہر طبقہ فکر کے علماء نے شرکت کی صدرِ پاکستان نے (جو آخر تک اس کنونشن میں شریک رہے) شرکاءِ اجتماع کو افتتاحی خطاب میں کھلے دل سے دعوت دی کہ وہ جس قسم کی تنقید کریں یا اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں جو بھی خامی یا رکاوٹ محسوس کریں اس کی نشاندہی کریں۔ اس کے تدارک و ازالہ کی تجویز پیش کریں بالخصوص اسلامی نظام کے سلسلہ میں کئے گئے اقدامات کی رکاوٹوں، نظام عشر و زکوٰۃ، اور اسلامی آئین سازی کے سلسلہ میں فقہی اختلافات کا حل۔ ان تین موضوعات پر اپنے خیالات بلا روک ٹوک ظاہر کریں علماء کرام اور مقررین نے اس موقعہ سے بھرپور فائدہ اٹھا کر نہایت خوشگوار فضا میں اور سلجھے ہوئے انداز میں اظہارِ خیال کیا۔ تمام تقاریر میں جو اہم نکات اٹھائے گئے وہ یہ تھے کہ بنیادی طور پر اسلامی نظام کے لئے اصلاحِ معاشرہ کی بھرپور کوشش کی جائے اس سلسلہ میں ذرائع ابلاغ کے مکمل احتساب و تطہیر کی ضرورت ہے۔ معروفات کے فروغ کے ساتھ منکرات و فواحش اور برائی کے استیصال کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں اس کے ساتھ ہی مروّجہ نظامِ تعلیم و نصابِ تعلیم میں انقلابی تبدیلیاں لازمی ہیں جن کی قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ضرورت تھی اس نظام سے جو نسل تیار ہو کر نکلتی ہے وہ ذہنی معاشرتی اور اعتقادی طور پر ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ و حکمرانی کے ساتھ جوڑ نہیں کھا سکتی پورے تعلیمی ڈھانچہ کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا وقت کا اوّلین تقاضا ہے۔ اس سلسلہ میں دوسرا اہم نکتہ جو مقررین کے مدِّنظر رہا وہ ملک میں مروّج نظام عدل و انصاف اور عدلیہ میں انقلابی تبدیلی اور اصلاح کا تھا کہ موجودہ عدالتی نظام اور اس کا قانون توکیل و شہادت پھر متضاد قوانین کا اجراء اور پیچیدہ طویل طریق کار ہمیں ہرگز اسلام کا نظامِ عدل و انصاف مہیا نہیں کر سکتا اور نہ اسلامی قوانین کے اجراء و نفاذ میں ممد و معاون بن سکتا ہے جس کی مثال یہ کہ حدود کے نفاذ کے اجراء کے باوجود آج تک کوئی بھی حد نافذ نہیں کی جا سکی۔ پھر نظامِ شریعت کے اجراء کے لئے بنیادی طور پر شریعت کے مبادی اور مآخذ پر گہری نظر تبحّر و رسوخ کی جو صلاحیت درکار ہے موجودہ رجالِ کار اس پر ہرگز پورے نہیں اترتے اس کے لئے ضروری ہے کہ دین و شریعت سے براہِ راست خبر رکھنے والے افراد کے ذمہ یہ کام لگا دیا جائے۔ تیسری بات ملک کے معاشی ڈھانچہ کو جلد از جلد اسلامی خطوط پر ڈھالنے کی تھی کہ نظام عشر و زکوٰۃ کا نفاذ ہرچند کہ ضروری اور مفید ہے اور

اسکی بعض خامیاں جو اصلاح طلب ہیں۔ اسکی نشاندہی کے باوجود بنیادی طور پر ملک کی اقتصادیات کو سُود کے ظالمانہ اور غیر اسلامی شکنجے سے جلد از جلد نکالنا اسلامی اسٹیٹ کا اولین فریضہ ہے۔ کوئی بھی دو متوازی اور متضاد معاشی ڈھانچے ملک کو خوشحال اور رفاہیت سے ہمکنار نہیں کر سکتے۔ کجا کہ کچھ اصلاحات تو اسلامی ہوں اور سارا ڈھانچہ غیر اسلامی معاشی سرمایہ دارانہ بنیادوں پر قائم ہو۔

اسلامی قانون سازی کے سلسلہ میں فقہی اختلافات کے حوالے سے کہا گیا کہ پچھلے تیس سالوں میں اسلامی نظام کے نفاذ میں جو لوگ مخلص نہ تھے اور اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اسے ایک ہوا کی شکل میں کھڑا کر دیا جبکہ درحقیقت اہل سنت والجماعۃ کے تمام مکاتب فکر کے درمیان کوئی بھی ایسا اختلاف نہیں ہوا جو اسلامی قوانین اور نظام کے نفاذ کے لئے رکاوٹ بن سکے۔ پھر بہت عرصہ قبل مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر نے ۲۲ نکات کے شکل میں اتحاد اور وحدت کا ایک بنیادی لائحہ عمل مہیا کر دیا ہے اور اگر کوئی مٹھی بھر جماعت یا فرقہ اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے مسلک کی دو ایک باتوں کو وجہ نزاع بنانا چاہتی ہے تو وہ فقہی اختلاف نہیں بلکہ انتشار و افتراق کی صورت ہے۔ اسے نہ تو عظیم مقصد اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے رکاوٹ بنایا جا سکتا ہے اور نہ ایسی کوئی کوشش جس سے ملک و ملت کی سالمیت سبوتاژ ہو کسی حوصلہ افزائی یا درخور اعتناء سمجھنے کی مستحق ہے۔ واضح طور پر ہر پہلو سے اس نقطہ کو واضح کیا گیا کہ کسی بھی ملک کی پبلک لاء اس ملک کی اکثریت کی مرضی اور معتقدات کے مطابق ہوتی ہے جس کی مثال پڑوسی ملک ایران میں ہمارے سامنے ہے۔ البتہ پرسنل لاء اور عبادات میں ہر فرقہ کو اپنے مسلک کے مطابق آزادی دی جاتی ہے اس لئے کوئی بھی فقہی اختلاف نکہ ملک میں دو قسم کے قوانین اور متعدد پبلک لاء کے نفاذ کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔

ان اہم نکات کے علاوہ کنونشن میں ملک کی ہر بڑی چھوٹی برائی یا خامی کا ذکر کیا گیا جسے سربراہ مملکت نے نہایت خندہ پیشانی سے سنا اور اپنے اختتامی خطاب میں ہر پہلو پر اظہار خیال کیا اور کنونشن کے مقررین کے اہم خیالات سے اتفاق کیا۔ اسلامی نظام و قوانین کے سلسلہ میں صدر نے کچھ اہم اقدامات کا بھی اعلان کیا جس میں سماجی قانونی تعلیمی تبلیغی معاشی امور سے متعلق علماء کی کمیٹیاں اور ایک اہم مشاورتی علماء بورڈ کی تشکیل کا اعلان بھی تھا۔ مگر یہ سب امور اسلامی نظام کیطرف پیش رفت کا ذریعہ تب بنیں گے کہ متعلقہ ادارے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں زمام کار ہے اور جن لوگوں سے اس راہ میں مدد کی امید کی جا رہی ہے۔ پوری مسئولیت خداوندی کے احساس، ایمان و یقین، اخلاص و للہیت کے ساتھ اس مقصد میں پوری توانائیاں خرچ کر دیں۔ خدا وہ دن جلد لائے کہ اس ملک میں اللہ اور رسول کے نظام عدل کا بول بالا ہو اور یہ ملک پورے عالم اسلام کے لئے ایک نمونہ جنت بن سکے۔

پندرھویں صدی ہجری کے استقبال کی تیاریاں دنیا بھر میں شروع ہیں۔ تعلیمی ادارے جامعات اور جماعتیں اسلامی حکومتیں غرض دنیا بھر کے مسلمان انفرادی اور اجتماعی پروگرام ترتیب دے رہے ہیں اسکی ٹھوس، مثبت اور دیرپا اثرات پر مبنی صورتیں کیا ہونی چاہئیں اس پر عالم اسلام کے جیّد اصحاب علم وفکر کو غور کرنا چاہیئے۔ فی الوقت ہم بھارت کی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی تحسین کرتے ہیں جس نے اواخر اکتوبر میں چودھویں صدی ہجری کے دوران مسلمانوں کی ہمہ جہت سرگرمیوں کا جائزہ اور پندرھویں صدی ہجری کے استقبال کیلئے ایک جامع اور وسیع پروگرام مرتب کیا ہے۔ علی گڑھ سے ہمارے کتنے بھی اختلافات رہے ہوں مگر اس وقت بھارت کی بے بس مسلمان اقلیت کیلئے ہم علی گڑھ یونیورسٹی کو پوری ملت کا مشترکہ سرمایہ سمجھتے ہیں۔ اس سرمایہ کی عظمت وعزت کے لئے دیوبند آج سب سے پیش پیش ہے۔ ہم بھارت کے تمام ایسے اسلامی سمیناروں اجتماعات کو وہاں کے مسلمانوں کی تقویت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے زیر اہتمام صدی ہجری کے سمینار کا تہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ یونیورسٹی کی طرف سے ناچیز کو بھی باصرار ومحبت شرکت کے دعوت نامے موصول ہو رہے ہیں۔ اگر شرکت ہوسکی تو زہے نصیب۔ لیکن اگر عوارض ومشاغل اور مصاعب راہ رکاوٹ بنے تو ان سطور سے دلی محبت وخلوص اور نیک جذبات کا اظہار تو ہو ہی جائے گا۔ ہم سمینار کے منتظمین اور ارباب یونیورسٹی کو اس مبارک پروگرام پر مبارکباد دیتے ہیں اور دل سے سمینار کی کامیابی کے متمنی ہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

یہ سطور لکھی جا چکی تھیں کہ جناب مدیر صاحب عوامی جمہوریہ چین کی دعوت پر پاکستانی علماء کے پانچ رکنی وفد کے ممبر کے طور پر چین کے پندرہ روزہ دورہ پر روانہ ہوئے جہاں سے واپسی پر وہ اسلامی آثار، مسلمانوں، اسلامی اداروں اور چین کی ثقافت اور انقلابی اقدامات کے بارہ میں قارئین الحق کو اپنے احساسات وتاثرات سے مطلع کر سکیں گے انشاء اللہ قارئین سے اس دورہ کی کامیابی اور بخیر وعافیت واپسی اور آئندہ تعلیمی اور دینی کاموں کیلئے مفید سے مفید تر بنائے جانے کی دعاؤں کی درخواست ہے۔

(شفیق فاروقی)

ڈاکٹر محمد جمال صدیقی، لیکچرر شعبہ تاریخ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور مارکسی مؤرخین

(قسط اول)

یوں تو ہر دور اور ہر زمانہ میں تاریخ نویسی کسی نہ کسی تعصب کا شکار رہی ہے۔ لیکن جب سے تاریخ کا مطالعہ مارکسی نقطہ نظر سے کیا جانے لگا ہے۔ ایک دوسری ہی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ مارکسی مورخین زیادہ تر تاریخ کے معاشی اور زرعی پہلوؤں کی تحقیق پر زور دیتے ہیں۔ تاکہ تمام انسانی سماج کی تاریخ کو طبقاتی کشمکش کی تاریخ[۱] سے تعبیر کرنے میں آسانی ہو۔ مگر جب سے سیاسی، مذہبی اور ثقافتی تاریخ کی تشریح بھی اس درآمد شدہ نظریہ کی روشنی میں شروع کی گئی ہے ایک انتہائی مایوس کن صورت حال سامنے آگئی ہے۔ مارکسی مورخین نے اس مایوس کن تاریخ نویسی کے جائزہ کی ابتداء ہم پروفیسر عرفان حبیب (جو مارکسی نظریات رکھتے ہیں) کے ایک مقالہ سے کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی دہلوی کے سیاسی افکار و کردار سے بحث کی گئی ہے[۲] ہم سر دست اس مضمون میں صرف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں پروفیسر موصوف اور ان کے ہم نواؤں کے خیالات کا تجزیہ کریں گے[۳]

پروفیسر عرفان حبیب اپنے مقالہ کی ابتداء اس طرح کرتے ہیں۔ اسلامی مکتب خیال کے مورخوں نے عہد مغلیہ کے دو صوفیوں شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) اور شاہ ولی اللہ دہلوی پر غیر معمولی توجہ کوز کی ہے۔ اقبال نے اپنے ایک شعر میں شیخ کو ہند میں "سرمایہ ملت کا نگہبان" قرار دیا ہے۔ ایک ہندوستانی عالم پاکستان کی سرکاری

۱۔ ظفر امام۔ مارکسزم ایک مطالعہ صد ۲۰ دہلی ۱۹۷۱ء ۲۔ عرفان حبیب THE POLITICOL ROLE OF SHAIKH AHMAD SIRHINDI AND SHAH WALIULLAH PROCEEDING OF GNDIAN HISTORY CONGREN ALIGARH PART. L 1960 p.p 209-25

۳۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے متعلق پروفیسر عرفان حبیب کے مطالعہ کا جائزہ آیندہ پیش کیا جائے گا۔

تاریخ FREE DOMMOVENT OF PAKISTAN کے ایک باب میں لکھتے ہوئے یہ اظہار کرتا ہے۔ کہ شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کے لئے ایک مثالی ملک قائم کرنے کے لئے کام کیا تھا[1] کوشش یہ کی گئی ہے کہ سترھویں اور اٹھارہویں صدی کی اہم واقعاتی تبدیلیوں میں ان دونوں صوفیوں کا ایک فیصلہ کن کردار ثابت کیا جائے۔ شیخ احمد کی تصویر کشی اس شخص کی طرح کی گئی ہے۔ جس نے جہانگیر کو اکبر کی اسلام دشمن پالیسیوں سے منحرف کردیا۔ اور اس طرح سلطنت مغلیہ میں اسلام کا تحفظ کیا۔ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ ان کے افکار نے اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کو بھی متاثر کیا[2]

پروفیسر موصوف اپنے ذاتی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

چونکہ فی زمانہ غالباً صرف فرقہ وارانہ عصبیت ہی کی بنیاد پر کسی کو آسانی سے تاریخ میں کوئی بلند مقام عطا نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں سے بے شمار دیگر اوصاف منسوب کئے گئے ہیں[3] آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر آر۔ پی ترپاٹھی شیخ احمد کو اکبر کے خلاف مسلمانوں کی احیاء مذہب کی تحریک کا رہنما بتاتے ہیں۔ اور اس عظیم اثر کا بھی اعتراف کرتے ہیں جو اس تحریک نے جہانگیر کی پالیسیوں پر ڈالا تھا[4] شیخ احمد سرہندی کے کارناموں کا اعتراف کرنے والوں کے مختلف حوالے اور تاثرات قلمبند کرنے کے بعد پروفیسر موصوف اپنی حیرت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔

" اسلامی مکتب خیال کے مورخوں نے تو شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ کو اپنا محبوب ہیرو بنا ہی لیا ہے۔ (لیکن) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مورخ بھی جو بصورت دیگر ہمیشہ معروضی اور سائنٹیفک نقطہ نظر سے تاریخ کے مطالعہ کی حمایت کرتے ہیں اس نظریہ سے متفق ہو رہے ہیں[5]۔

اپنا مقالہ لکھنے کی وجہ بتاتے ہوئے پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ " یہ حقیقت کہ اس پایہ کے مورخین اس قسم کے خیالات کا اظہار کریں۔ ذہن کو اس طرف منتقل کرتا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ان شواہد کی چھان بین کی جائے جن پر ان دونوں صوفیوں کے افکار اور کارناموں کی یہ ساری تشریح مبنی ہے۔ شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں کی تحریروں اور دیگر متعلقہ شواہد کے مطالعہ کے بعد اس مصنف کا عقیدہ ہے کہ دونوں صوفیوں کے کردار کا تاریخ میں صحیح مقام متعین کرنے کے لئے از سر نو جائزہ ضروری ہے[6]

---

[1] یہ حوالہ نامکمل اور غلط تشریح کے ساتھ ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مضمون سے متعلق ہے۔ پروفیسر نظامی نے یہ لکھا ہے کہ شاہ صاحب ایک ایسے ملک کو مسلمانوں کے لئے مثالی سمجھتے تھے جس میں خلافت راشدہ کے نظام کی روح کارفرما ہو۔[2] PICH ۱۹۶۰ء ص ۲۰۹ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] PICH ۱۹۶۰ء ص ۲۰۰ گویا صرف وہی معروضی تاریخ لکھ سکتا ہے جو ان کے مارکسی نظریات کے تحت مذہب کے اثرات سے انکار کردے اگر ڈاکٹر ترپاٹھی اس کا ذکر کرتے ہیں تو وہ بھی گمراہ ہیں [6] ایضاً

اس سلسلے میں اگر پروفیسر سید نور الحسن (جن کا شمار موجودہ زمانے میں ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ کے اسلامی مکتب خیال کے مورخوں میں نہیں ہوتا) کے خیالات یہاں پیش کیے جائیں تو بے محل نہ ہوگا۔ شیخ احمد سرہندی کے متعلق وہ اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں۔

"شیخ احمد سرہندی اپنے دور کے عظیم مذہبی رہنماؤں میں سے تھے۔ ان کے معتقدین میں بعض اہم امراء اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی شامل تھی۔ ان کو اس طاقت ور رجحان کا نمائندہ سمجھا جا سکتا ہے۔ جو عہد اکبری میں منظر عام پر آیا۔ یہ رجحان مسلمانوں کے ردعمل کا نتیجہ تھا جو سترھویں صدی میں مستحکم ہوتا"[1]

پروفیسر عرفان حبیب اپنے مقالہ کی ابتداہی نظریاتی اختلاف سے کرتے ہیں۔ حالاں کہ اس نظریاتی اختلاف کی کوئی گنجائش اس مسئلہ پر پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ شیخ احمد سرہندی کے سیاسی کردار اور اثرات کو تسلیم کرنے والوں کی فہرست میں ڈاکٹر آر۔ پی۔ ترپاٹھی اور پروفیسر نور الحسن ایسے مکتب خیال کے مورخوں کا بھی نام ملتا ہے۔ جن کے تجزیہ سے پروفیسر عرفان حبیب نہ صرف متفق نہیں ہیں بلکہ اس کو غیر تاریخی، غیر معروضی اور غیر واقعاتی بھی سمجھتے ہیں۔

پروفیسر موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی کی خوبی صرف فرقہ وارانہ تعصب تھا۔ اور چونکہ یہ خوبی اب فرسودہ ہو چکی ہے۔ اس لئے ان کے مداحوں نے بہت ساری خوبیاں وضع کر کے ان سے منسوب کر دی ہیں۔ جدید دور کی اس اصطلاح کا اطلاق سترھویں صدی کے حالات پر سیاق و سباق کو سمجھے بغیر کرنا تاریخ کے ساتھ بے انصافی ہے۔ جسے آج ہم فرقہ وارانہ تعصب سمجھتے ہیں۔ وہ عہد اکبری میں اکبر کی مذہبی پالیسی کے خلاف ایک شدید ردعمل تھا۔ اور مسلمان ایک طرف خود ہندو بھی اکبر کی مذہبی پالیسی سے متفق نہ تھے چنانچہ راجہ مان سنگھ نے صاف صاف دین الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ فرقہ پرست کی مارکسی تشریح کی زد سے شاید ہی کوئی بچ سکے جس نظریہ کا نصب العین ہی مذہب کے خلاف ایک شدید ملامتی مہم ہو[2] اور جس نظریہ کے علمبردار مذہب کو ایک آلۂ استحصال تصور کرتے ہوں[3] تو ایسی صورت میں فرقہ پرست

---

[1] پروفیسر نور الحسن شیخ احمد سرہندی اور مغل سیاست PICH انامالائی نگر ۱۹۴۵ء ص ۲۴۸ [2] مذہب کے متعلق مارکسی نظریہ یہ ہے۔ پارٹی مذہبی نقطۂ نظر جو انسانی ضمیر کو پراگندہ کرتا ہے۔ عام جمود میں اسے غرق کر دیتا ہے اور اس کی تخلیقی استعداد عمل اور پیش قدمیوں کو پابہ زنجیر کر دیتا ہے، کے خلاف، ایک منظم نظریاتی جدوجہد کو اپنا قطعی فرض تصور کرتی ہے۔

MARX AND ENGLES ON RELIGION FOREIGN LONGVAGES PUBLISHING HOUSE MOSCOW [3] KARL MARX AND FREDRICK ENGLES SELECTED WORKS 1957 P:PP PROGRESS PUBLISHERSMOSCOW' 1970 P.38

"متعصب"، "قدامت پسند" اور "رجعت پسند" وغیرہ اصطلاحات کی اہمیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

پروفیسر عرفان حبیب لکھتے ہیں۔[1]

"شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں کے نظریات کا مطالعہ فطری طور پر ان کے دور کے پس منظر میں ہی کرنا چاہئے۔ لہٰذا شیخ احمد سرہندی کے نظریات کا ابوالفضل سے تقابلی جائزہ لیتے ہوئے وہ صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ شیخ احمد، ابوالفضل کے پاس تھے کہ انہوں نے غزالی کے حوالہ سے یہ کہا۔ کہ وہ تمام علوم جن کا ذکر پہلے سے قرآن میں نہیں ہے۔ وہ یا تو بیکار ہیں یا نقصان دہ۔ ابوالفضل نے جوش میں جواب دیا کہ غزالی مہمل کہتا ہے۔ جس پر شیخ احمد اٹھ کر چلے گئے۔"[2]

اصل واقعہ کو ادھورا نقل کرنے کے بعد پروفیسر موصوف اپنے خیال کا اظہار یوں کرتے ہیں۔ "ابوالفضل اور اس کے ہمنوا جہاں جامد عصبیت کا پردہ چاک کر رہے تھے۔ وہاں شیخ احمد ذہن کو تنگ ترین دینی فہم میں مقید کرنا چاہتے تھے اور وہ ہر اس چیز کو جو ان کے فہم سے بالاتر تھی یا جو شریعت سے جواب محض ایک پرپیچ اور بے لوچ تفصیلات کے علاوہ کچھ نہ رہ گئی تھی، مطابقت نہ رکھتی تھی مطعون کرتے تھے۔"[3]

پروفیسر موصوف کی جارحانہ تاریخ نویسی کی وضاحت کے لئے ضروری ہے۔ کہ اصل واقعہ کے پورے متن کا ترجمہ پیش کر دیا جائے تاکہ معاملہ کی نوعیت پوری طرح واضح ہو سکے۔ یہ واقعہ زبدۃ المقامات میں محمد ہاشم کشمی نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

ابوالفضل کا ایک اور مصاحب مجھ سے کہتا تھا کہ ایک دفعہ تمہارے مرشد، ابوالفضل کی مجلس میں حاضر تھے ابوالفضل نے فلسفیوں اور ان کے علوم کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کیا جس سے علماء دین کی توہین ہوتی تھی حضرت شیخ جن کو اسلام سے بے پناہ محبت تھی وہ یہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے فرمایا کہ امام غزالی اپنے رسالہ المنقذ من الضلال میں لکھتے ہیں کہ وہ تمام علوم جن کے ایجاد کا دعویٰ فلسفی کرتے ہیں۔ مثلاً نجوم ہیئت طب وغیرہ کام کے ہیں جن کو انہوں نے قدیم انبیاء کی کتابوں اور ان کے کلام سے چرایا ہے۔ اور وہ علوم جو خود ان کی اپنی ایجاد ہے۔ مثلاً ریاضی وغیرہ، وہ دین کے کس کام آتے ہیں؟۔ ابوالفضل یہ سن کر جوش میں آگیا۔ اور کہنے لگا کہ غزالی نے نامعقول بات کی ہے۔ یہ سن کر حضرت شیخ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فوراً ابوالفضل کی مجلس سے اٹھے اور فرمایا کہ اہل علم کی صحبت کا ذوق ہے۔ تو اس طرح کی بے ادبی کے الفاظ سے پرہیز کیا کرو۔ یہ کہہ کر وہ مجلس سے باہر چلے گئے اور پھر کئی روز تک ابوالفضل کے پاس نہیں گئے۔ حتیٰ کہ اس نے آدمی بھیجکر معذرت چاہی اور انہیں بلا بھیجا۔[4][5]

---

[1] PIHC ۱۹۶۰ء ص ۲۱۰ [2] [3] [4] ایضاً [5] زبدۃ المقامات نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۰ء ص ۱۲۳، ۱۲۴۔ پروفیسر موصوف پورا ترجمہ پیش کرنے سے شاید اس لئے گریز کر گئے کہ یہ ثابت کرنے میں دقت ہوتی کہ ابوالفضل اور اس کے ہم نوا کسی جامد عصبیت سے برسر پیکار تھے۔

پروفیسر موصوف و آنچہ زادہ طبع ایشاں است چوں ریاضی و امثالہ بہیچ کار دین می آید[1] سے یہ مفہوم" وہ تمام علوم جن کا ذکر پہلے سے قرآن میں نہیں ہے وہ یا تو بیکار ہیں یا نقصان دہ " سمجھنے میں کسی طرح حق بجانب ہو سکتے ہیں ۔ کتب انبیائے ماتقدم و کلام ایشاں[2] سے مفہوم صرف" قرآن" ہی کس طرح سمجھا جا سکتا ہے ۔ ابوالفضل کا موازنہ دین کی فہم کے سلسلے میں شیخ احمد سرہندی سے کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا ۔ اس نے مغلیہ عہد کے زرعی اور معاشی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ یقیناً چھوڑا ہے ۔ لیکن مذہب کے دائرہ عمل میں وہ خود ہی متضاد خیالات کا شکار نظر آتا ہے ۔ ایک طرف تو وہ "صلح کل" کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور دوسری جانب راجہ ٹوڈرمل کی بت پرستی کا مذاق بھی اڑاتا ہے[3] ایک جانب وہ "تقلید" پر "عقل" کی فتح کا علمبردار نظر آتا ہے ۔ اور دوسری جانب فیضی کو بادشاہ کے ان احکام کو جو شرع محمدی سے مطابقت نہ رکھتے ہوں نہ ماننے تبلیغ بھی کرتا ہے[4]

دراصل شیخ احمد سرہندی فلسفیوں کے ان تصورات کے مخالف تھے جن سے انبیاء کے اقوال کی نفی ہوتی تھی ۔ اور وہ قرآنی آیات کی ایسی تفسیر و تاویل کے خلاف تھے جو مذہب اہلسنت کے خلاف ہو جنہیں عموماً یہ فلسفی پیش کرتے تھے[5] پروفیسر موصوف شیخ کے اس نظریہ کے اس پہلو کو جامد عصبیت اور تنگ نظرین ذہنیت کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں ۔ کیونکہ ان کی روشن خیالی اور ذہنی آزادی کے معیار پر تو اکبر اور ابوالفضل بھی پورے نہیں اتر سکتے ۔ موصوف شیخ احمد سرہندی سے قطع نظر شریعت ہی کو ایک جامد عصبیت اور ایک پرپیچ اور بے لوچ مذہبی رسوم کا مجموعہ سمجھتے ہیں ۔ اس سے موصوف کی تاریخ فہمی کی تو کم لیکن مارکسی عصبیت کی یقیناً شہادت ملتی ہے جو ان کا مقصود اور مطلوب ہے ۔

پروفیسر موصوف نے ہندوؤں کے متعلق شیخ احمد سرہندی کے نظریات کو اس انداز میں پیش کیا ہے جیسے ہندوؤں کے خلاف شیخ نے ایک علانیہ مہم شروع کر رکھی تھی[6] اس کی تائید میں صرف ان مکتوبات کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے پروفیسر موصوف کے خود ساختہ نظریات کو تقویت پہنچتی ہے لیکن شیخ کے وہ مکتوبات جن سے مذہبی رواداری کا پہلو نمایاں ہوتا ہے ۔ اسے یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے ۔ اس سلسلہ میں شیخ کے صرف دو خطوط کا حوالہ پیش

---

[1] زبدۃ المقامات [2] ایضاً [3] ابوالفضل اکبرنامہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۸۸۶ جلد ۳ ص ۲۲۱ کے متعلق پروفیسر موصوف کا کیا خیال ہے [4] رقعات ابوالفضل مطبع علوی ص ۴۷ دیکھئے ص ۶۷ و ۷۷ [5] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی (اردو ترجمہ) تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۱۴ء جلد ۳ مکتوب ۱۰۱ بنام شیخ عبداللہ
[6] PIHC ۱۹۶۰ء، ص ۲۱۱

کیا جاتا ہے۔ ایک مکتوب میں وہ لکھتے ہیں: "مسلمانوں کو اپنے دین کی اتباع کرنی چاہیئے۔ اور ہندوؤں کو اپنے مذہبی عقائد کی۔ قرآنی آیات لکم دینکم ولی دین کا یہی مفہوم ہے[1]" ایک دوسرے خط میں ملا مقصود علی تبریزی کو مشرکوں کی نجاست کے بارے میں لکھتے ہیں: "آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں۔ اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں۔ اور وہی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں[2]"

فرائڈمان شیخ احمد سرہندی کے نظریہ کے اس پہلو کا سائنٹیفک تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے "ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے بارے میں سرہندی کے جو خیالات بعض جگہوں پر واشگاف ملتے ہیں وہ دراصل ان کے خیالات کے نشو ونما سے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق سیاق و سباق سے ہے جن میں وہ لکھے گئے ہیں[3]" پروفیسر خلیق احمد نظامی شیخ احمد سرہندی کے کارناموں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں "اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک یا دو موقعوں پر انہوں نے جو اظہار خیال کیا وہ تلخ اور غیر ضروری تھا۔ لیکن یہ ان کی تحریک کا گوہر مقصود نہیں تھا۔ درحقیقت ان کا رویہ اکبر کے مذہبی تجربات اور اس سے پیدا شدہ درباری ماحول کے خلاف رد عمل کے طور پر پیدا ہوا تھا جیسے ہی یہ ماحول ختم ہوا ان کے رویہ میں بھی تبدیلی واقع ہو گئی[4]"

پروفیسر عرفان حبیب یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ جلد سوئم کے مکتوبات میں جو دوران اسیری اور رہائی کے بعد لکھے گئے تھے شیخ کا لب ولہجہ معقول اور نرم تھا۔ اور ان میں ہندوؤں اور شیعوں کو مطعون نہیں کیا گیا تھا[5] مگر اس کی تاویل وہ اس طرح پیش کرتے ہیں۔ کہ (رہائی سے قبل) جہانگیر نے شیخ سے مناسب طرز عمل کا زبانی عہد و پیمان ضرور لیا ہو گا[6] پروفیسر صاحب کا یہ خیال یکسر مفروضی ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔ جب کہ ہمارے علم میں شیخ کا وہ خط ہے جو انہوں نے اپنے صاحب زادے کو رہائی کے بعد جہانگیر کے ساتھ قیام کے زمانہ میں لکھا تھا۔ اس سے رہائی کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں بادشاہ سے دینی امور اور شرعی تفصیلات کے متعلق بے تکلف اور برملا گفتگو ہوئی جسے بادشاہ نے بخوشی سنا[7] شیخ کا یہ خط ۱۶۲۲ء میں جلد سوئم کے ساتھ شائع ہو چکا تھا اور تزک جہانگیری کا سلسلہ تصنیف ۱۶۲۴ء تک قائم رہا۔ لیکن جہانگیر نے اس خط کی کوئی تردید نہیں کی۔

---

۱ مکتوبات جلد اول (۴۷) ص ۷۰ ایام شیخ فرید ۲ مکتوبات جلد سوم (۲۳) ص ۵۲ ۳ فرائڈمان، شیخ احمد سرہندی۔ مک گل یونیورسٹی، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز ۱۹۷۱ء ص ۷۵ ۴ NAGSHLONOLI IN FLUENEE ON MUGHAL RULERS AND POLITICS. GOLAMIC CULTURE TAN 1965 p.50

۵ PIHC ۱۹۷۰ء ص ۲۱۵ ۶ ایضاً ۷ مکتوبات جلد ۳ (۴۳) ص ۱۱۰ و ۱۱۱

جہانگیر نے تفصیل سے شیخ احمد سرہندی کی گرفتاری اور رہائی کا ذکر تزک جہانگیری میں حد درجہ بے ادبی سے کیا ہے[۵] لیکن یہ کہ اس نے شیخ احمد سرہندی کو رہا کرنے سے قبل ان سے مناسب رویہ اختیار کرنے کا عہد و پیمان لیا ہو، اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

پروفیسر عرفان حبیب کا خیال ہے کہ شیخ احمد عوام کے قطعاً رہنما نہ تھے۔ ان کی نظریں بادشاہ اور اس کے امرا کی جانب لگی رہتی تھیں۔ اور ان کا یہ خیال تھا کہ شریعت کی تجدید اور حفاظت صرف بادشاہ ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں بادشاہ کو وہی مقام حاصل ہے جو قلب کو جسم میں۔ امرا کا یہ فرض ہے کہ وہ بادشاہ کو شریعت کی پیروی کرنے کا مشورہ دیں۔ لہٰذا یہ فطری امر تھا کہ وہ خود بادشاہ تک باریابی حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے اور اس کے مصاحبین میں شامل ہوتے: تاکہ وہ شرعی حکومت کے مکمل قیام کے خیالی خواب میں معاون ہو سکیں۔ چنانچہ انہوں نے امرا کو بالخصوص شیخ فرید کو متعدد خطوط لکھے لیکن انہوں نے عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا۔ صرف اعلیٰ طبقہ اور صاحب اقتدار ہی ان کے مخاطب رہے[۲]

عہد وسطیٰ کے دورِ شہنشاہیت میں بادشاہ اور اس کے امرا کو جو مرکزیت حاصل تھی اس کے پیش نظر شیخ احمد سرہندی کا بادشاہ اور اس کے امرا کو شریعت کی اہمیت کی جانب متوجہ کرنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ اس زمانہ میں سارے دینی تجربات کا مرکز دربار ہی ہوتا تھا۔ اس بات کا کہ شیخ نے اپنے مقصد کی تکمیل میں کبھی دربار میں شرف باریابی حاصل کرنے یا بادشاہ کے مصاحبین میں شامل ہونے کی خواہش کی ہو کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اکبر سے شیخ احمد سرہندی کی کسی بھی ملاقات کا ذکر نہیں ملتا، اور جہانگیر سے بھی ملاقات چودہویں سال جلوس میں اس طرح ہوئی کہ جہانگیر نے شیخ کو بازپرس کے لئے طلب کیا۔ شرف باریابی حاصل کرنے والا شخص دربار کے معتمد امرا سے خط و کتابت کے درمیان بادشاہ وقت کی مذہبی پالیسیوں پر اس بے باکی سے تنقید نہیں کر سکتا تھا کہ جہانگیر یہ لکھنے پر مجبور ہو "بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد"[۳] جہاں تک شرعی حکومت کے مکمل قیام کا سوال ہے کہ "یہ ایک خیالی خواب تھا" اس سلسلہ میں صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ اس کا قیام بہر صورت مارکس کے معتقدین کے لئے ہر زمانے میں دردِ سر رہا ہے۔

پروفیسر موصوف کا یہ فرمانا کہ انہوں (شیخ) نے عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا۔ بلکہ صرف اعلیٰ طبقہ اور صاحب اقتدار اشخاص کو مخاطب کیا[۴] تجزیہ طلب ہے۔ فریڈمان جس نے شیخ احمد سرہندی سے متعلق بنیادی

۵[۱] تزک جہانگیری، سرسید ایڈیشن علی گڑھ ۱۸۶۴ء، ص ۲۷۲، ۲۷۳ ۵[۲] PIHC ۱۹۶۰ء، ص ۲۱۲ ۵[۳] تزک جہانگیری ص ۲۷۳

۵[۴] PIHC ۱۹۶۰ء، ص ۲۱۲ پروفیسر عرفان حبیب کے نظریات سے متاثر ہو کر پروفیسر مجیب نے بھی شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات
باقی اگلے صفحہ پر

ماخذ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ لکھتا ہے کہ مکتوبات کی تینوں جلدیں جو ۵۳۴ مکتوبات کا مجموعہ ہیں ان میں دو سو اشخاص کو مخاطب کیا گیا ہے[۱] وہ مزید لکھتا ہے کہ خود موصول کرنے والوں کی صرف ایک مختصر تعداد کا تعلق مغل حکام سے ہے۔ اور ان کو ستر سے زیادہ خطوط نہیں لکھے گئے[۲]

وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ تقریباً دو سو مخاطبین میں سے صرف ایک مختصر تعداد کی شناخت موجودہ دستیاب ماخذ کی مدد سے صحیح طور پر کی جا سکتی ہے[۳] فرائڈمان اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دور حاضر کے مورخین نے مغل حکام کو لکھے گئے خطوط پر جس قدر توجہ مبذول کی ہے وہ مکمل مجموعہ میں اپنی واقعی اہمیت کے لحاظ سے مبالغہ آمیز ہے[۴]

جن مکتوبات کے صرف تیرہ فیصد ہی مغل حکام اور امرا کو لکھے گئے ہوں اور بقیہ ۸۷ فیصد لوگ غیر درباری ہوں اور جن دو سو مخاطبین میں صرف چند اشخاص ہی کی تاریخی شناخت ممکن ہو سکی ہو۔ ان مکتوبات کے متعلق یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے ان میں صرف اعلیٰ طبقہ اور صاحب اقتدار اشخاص ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا گیا۔ غیر اہم تاریخی نوعیت کے اشخاص جن کی شناخت نہ ہو سکی ان میں یقیناً عام مسلمان شامل ہوں گے۔

شیخ احمد سرہندی عوامی رہنما تھے یا نہیں بحث کا محتاج ہے کیونکہ عوامی رہنما کا جو تصور مارکس نواز پیش

پر اپنے خیال کا اظہار اس طرح کیا ہے "بلاشبہ (شیخ احمد سرہندی کے لئے) یہ ضروری تھا کہ مخصوص نوعیت کے القاب استعمال کئے جائیں اور امرا کی مناسب وقت پر مناسب مقصد کے لئے مدح سرائی کی جائے۔ لیکن ان کی مدح سرائی زیادہ تر چاپلوسی کی حد تک پہنچ جاتی تھی اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی تبلیغ شریعت کی حیثیت دنیاوی مفاد میں تبدیلی ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی کے مطابق پروفیسر مجیب کے تاثرات شیخ کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ایک بے بنیاد الزام تراشی کے مترادف ہے۔ وہ لکھتے ہیں: پروفیسر موصوف نہ تو ان القاب کا جو شیخ نے امرا کے لئے استعمال کئے تھے، نمونہ پیش کرتے ہیں اور نہ تو ان قابل لحاظ دنیاوی مفاد کی وضاحت کرتے ہیں"

اقتدار حسین صدیقی MOOLERN WHTINGSON ON ISLAM AND MUSLIMS IN INDIA INTERNATIONAL BOOK TROALES ALIGARH 1973 P 60

پروفیسر مجیب کا حوالہ THE INDIAN MUSLIMS سے ماخوذ ہے۔

۱۔ فرائیڈمان، شیخ احمد سرہندی ص ۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ص ۲

کرتے ہیں وہ خود انتہائی غیر واضح ہے ۔ مارکسی نظریہ کے حامیوں کی مرتب کی ہوئی عوامی رہنماؤں کی طویل فہرست میں خود مارکسی نظریہ کے علمبرداروں کے ہاتھوں گذشتہ بیس برسوں میں پے در پے جو شکست و ریخت اور ردّ و بدل واقع ہوا ہے ۔ اس کے پیش نظر عوامی رہنما کی اصطلاح کی مارکسی تشریح کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے دور حاضر کی اس اصطلاح کا اطلاق دور وسطیٰ پر کرنا بے محل ہوگا۔ ہمارے پاس اس کی شہادت ہے کہ جہانگیر خود یہ اعتراف کرتا ہے کہ شیخ کے خلفا ہر دیار اور ہر قریہ میں متعین ہیں[۱] ۔ اور یہ کہ شیخ کی گرفتاری کے جواز میں وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ " شورش عوام نیز فرونشیند" [۲] جس شخص کی گرفتاری عوامی شورش کو فرو کرنے کے لئے عمل میں لائی جاتی۔ اس کے متعلق کم از کم اتنا تو کہا ہی جا سکتا ہے۔ کہ اس کے افکار اور نظریات کا دائرہ عوام تک پہنچ چکا تھا۔ اور ان کے مکتوبات کی شہرت دربار کی حدود سے گذر کر عوام تک پہنچ چکی تھی ۔ اور چونکہ شیخ کے خلفا شہر شہر پھیلے ہوئے تھے اس لئے ان کا رابطہ عوامی سطح پر قائم ہو چکا تھا۔ اگر پروفیسر موصوف جہانگیر کے اس اعتراف کو کسی جوابی دلیل سے رد کرنے کی کوشش کرتے تو طعن و ملامت کی وہ عمارت تزک جہانگیری کے اس حوالہ سے جہاں جہانگیر نے حد درجہ بے ادبی سے شیخ کی گرفتاری کا ذکر کیا ہے ۔ اور جس کے ضمن ہی یہ دونوں باتیں بھی تحریر کی ہیں از خود مسمار ہو جاتی ۔ لیکن پروفیسر موصوف اس نازک صورت حال سے دوچار ہونے کے لئے خود کو تیار نہ کر سکے ۔ اور مصلحت آمیز خاموشی اختیار کر گئے ۔

دربار اکبری کے ایک اہم امیر شیخ فرید پر شیخ احمد سرہندی کے اثر کے بارے میں شبہ کا اظہار کرتے ہوئے پروفیسر عرفان حبیب لکھتے ہیں ۔ کیا شیخ احمد کا شیخ فرید پر کوئی اثر تھا؟ کیا شیخ فرید بھی جہانگیر پر اسی طرح اثر انداز تھے اور کیا جہانگیر نے اکبر کی (مذہبی) پالیسی ترک کر دی تھی؟ اس امر کا اس کے سوا کہ شیخ احمد نے شیخ فرید کو بہت سارے خطوط لکھے ۔ اور کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے ۔ کہ شیخ فرید نے کبھی بھی شیخ احمد کا مشورہ قبول کیا ہو ۔ ان مکتوبات کو ایک جلد میں جمع کر کے جب کہ شیخ فرید کا انتقال ہو چکا تھا ۱۶۱۷ء میں شائع کیا گیا اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ شیخ فرید نے ان خطوط کو وصول بھی کیا ہو یا نہیں ۔ یا کم از کم اسی شکل میں جس میں وہ (مکتوبات) ہمیں آج دستیاب ہیں ۔ یہ یقین کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے ۔ کہ حکومت کے اتنے بڑے عہدہ دار نے ایسے خطوط وصول کرنے کی ہمت کی ہوگی جن میں بادشاہ وقت کے والد کے متعلق گستاخانہ کلمات استعمال کئے گئے ہوں گے ۔ برخلاف اس کے شیخ فرید اکبر کے لئے انتہائی جذبہ وفاداری رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ کیونکہ انہوں نے الٰہ داد فیضی سرہندی کو عہد اکبری کی ایک تاریخ لکھنے پر مامور کیا تھا ۔ جس میں اکبر کی تعریف کے سوا کچھ بھی

---

[۱] تزک جہانگیری ص ۲۷۲ [۲] ایضاً ص ۲۷۳

نہیں ملتا۔ یہ نکتہ بھی قابل غور ہے۔ کہ گو یہ تاریخ جس کا سلسلہ ۱۹۶۱ء تک رہا ہے۔ سرہند کے ایک باشندے نے لکھی ہے۔ اور جس میں سرہند کے بہت سے علماء کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن شیخ احمد سرہندی کا ذکر ایک جگہ پر بھی نہیں کیا گیا[1]

مندرجہ بالا شبہات اور تاویلات کے مختلف پہلوؤں پر ڈاکٹر محمد عمر نے اپنے ایک مقالہ میں سیر حاصل بحث کی ہے[2]

پروفیسر موصوف درحقیقت مکتوبات کے اسناد اور صداقت کو مجروح و مشتبہ کرنے کی ایک ناکام کوشش میں مصروف ہیں۔ شیخ احمد سرہندی کے افکار اور نظریات کے مطالعہ کے لئے مکتوبات ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر پروفیسر موصوف مکتوبات ہی کو مشتبہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو نظریات اور افکار از خود بے وقعت ہو جاتے۔ روایت یعنی مکتوبات کے در پردہ راوی شیخ احمد سرہندی کو جس طرح ملوث کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ وہ پروفیسر موصوف کی نظریاتی عصبیت کا ایک مزید ثبوت ہے۔

کوئی بھی صاف ذہن رکھنے والا مورخ اگر ان مکتوبات کا سرسری جائزہ لے تو وہ یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ شیخ نے جن لوگوں کو خطوط لکھے انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان خطوط کو وصول کیا بلکہ ان کے جوابات بھی دیتے شیخ احمد سرہندی اپنے مخاطبین کو بشمول شیخ فرید بار بار یہ لکھتے ہیں کہ آپ کا گرامی نامہ۔ محبت نامہ۔ مرحمت نامہ موصول ہوا[3] مکتوبات کے ابتدا میں ان سوالات کا خلاصہ دیتے ہیں۔ جو مکتوب الیہ نے دریافت کئے ہیں اور اس کے بعد ان سوالات کا جواب سلسلہ وار دیتے ہیں[4] شیخ احمد سرہندی ایسے دیندار شخص سے یہ بعید تھا کہ وہ ایسے مکتوبات کا پر فریب تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتے۔ کہ مخاطبین ان کے خطوط کو وصول کر کے ان کے جوابات بھی دے رہے ہیں۔

اسی ضمن میں اقتدار عالم خاں صاحب کے مضمون کا حوالہ بھی بے محل نہ ہو گا۔ سیاست میں مذہب کی ایک ناقابل تسلیم اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔ اسی رجحان (سیاست میں مذہب کی اہمیت) نے بعض پاکستانی مورخین کو اکسایا کہ وہ اکبر کی مبینہ اسلام دشمن پالیسیوں کے خلاف ایک قدامت پرستانہ ردعمل کو دریافت کریں جس کی بنیاد

---

[1] PGHC ۱۹۶۰ء صہ ۲۱۲، ۲۱۳ [2] محمد عمر SHAIKH FARID BUKHARI'S RELATIONS WITH SOME OF THE CONTEMPOREY ULAMA یہ مقالہ انڈین ہسٹری کانگرس کے بھوونیشور سیشن ۷۷ ۱۹ء میں پڑھا گیا تھا۔ [3] ایضاً صہ ۲۷۔ اور حاشیہ

[4] دیکھئے فرانڈمان شیخ احمد سرہندی صہ ۳

ان چند خطوط پر لکھی گئی تھی جو راسخ العقیدہ مسلک کو تسلیم کرنے کی بھی پروا نہیں کی[۵]۔ اقتدار عالم خاں صاحب کی عبارت میں شیخ احمد سرہندی کے لئے مضمر جذبہ حقارت کسی وضاحت کا محتاج نہیں لیکن یہ کہہ دینا یہاں بے محل نہ ہوگا کہ خاں صاحب موصوف بھی اسی منبع علم سے سیراب ہوئے ہیں جس سے پروفیسر عرفان حبیب نے کسب فیض کیا ہے اور یہ نکتہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دونوں ایک ہی سُر میں نغمہ سنج محض اس لئے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے افکار و کردار کا سائنٹیفک تجزیہ کرنے والے مورخین کو فرقہ پرست کہنے کے ساتھ ساتھ ایک غیر ملکی نظریہ کا علمبردار ثابت کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مکتوبات کو مشتبہ ثابت کرنے کی کوشش میں آخر مخاطبین کی ایک طویل فہرست سے پروفیسر موصوف کی نگاہ انتخاب صرف شیخ فرید ہی پر کیوں پڑی۔ شاید اس لئے کہ ان کا انتقال مکتوبات جلد اول کی اشاعت (۱۶۱۷ء) سے قبل ہو چکا تھا۔ لیکن پروفیسر موصوف یہ بھول گئے کہ عزیز کوکہ اور عبدالرحیم خان خاناں کا انتقال بالترتیب ۱۶۲۴ء اور ۱۶۲۷ء میں ہوا جب کہ مکتوبات کی تینوں جلدیں شائع ہو چکی تھیں[۶]۔ ان کے علاوہ جلد اول کی اشاعت کے بعد اہم مکتوب الیہم کی ایک خاصی تعداد ابھی بقید حیات تھی۔ اور خود تزک جہانگیری کا سلسلہ تحریر بھی جاری تھا۔ مگر کسی نے کبھی بھی ان مکتوبات کی صداقت یا حیثیت کی تردید نہیں کی۔ حالانکہ اس دور میں بھی مخالفین کی کوئی کمی نہ تھی۔ اور اس انکشاف کے موجد ہونے کا سہرا پروفیسر موصوف کے سر نہ بندھ سکتا تھا۔

مکتوبات کی موجودہ شکل کے بارے میں پروفیسر موصوف کا شبہ محض بے بنیاد ہی نہیں ہے بلکہ سخت گمراہ کن بھی ہے۔ کیونکہ مکتوبات کے تمام نسخوں کے متن میں مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بفرض محال اگر کوئی فرق ہے تو پروفیسر موصوف اس کا کوئی ثبوت پیش کرنے سے کیوں گریز کر رہے ہیں۔ صرف شبہ ظاہر کر دینے سے مکتوبات کو مشتبہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بے بنیاد شبہ خاص مسلکی اور وقتی مصالح کی بنیاد پر پیدا کیا گیا ہے۔ کیونکہ مکتوبات کی حیثیت اور صداقت کو تسلیم کرنے کی صورت میں پروفیسر موصوف کے پاس بہت سارے بے بنیاد سوالات اور شیخ احمد سرہندی پر الزام تراشی کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ پاتی۔

---

۵ اقتدار عالم خاں MOTES ON THE CONCEPTION OF AKBORS RELIGIOUS POLICY ، سیمینار اکتوبر ۱۹۶۹ء، شملہ ص۲

۶ ڈاکٹر محمد عمر، حوالہ سابقہ ص ۲۱، ۲۲۔

حضرت عمر فاروقؓ کی عدالت

امام ابوالفرج ابن جوزیؒ

ترجمہ : شاہ حسن عطا

محمد بن عمر نے اسامہ بن زید بن اسلم سے، انہوں نے اپنے والد اور ان کے والد نے اپنے والد سے یہ روایت کی ہے :

"ایک دن میں نے عمرو بن العاص کو عمرؓ کا ذکر کرتے سنا تو جیسے بات کرتے ان کا دل بھر آیا۔ اور فرمایا :

"میں نے رسول اللہ اور ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ سے زیادہ کسی کو اللہ سے ڈرتے نہیں دیکھا۔ حق کے معاملہ میں نہ وہ باپ کی پرواہ کرتے نہ بیٹے کی۔ اس کے بعد عمرو نے بیان کیا :

"جیسے ابھی کل کی بات ہو، میں مصر میں اپنی قیام گاہ میں بیٹھا ہوا تھا کسی نے آ کر اطلاع دی کہ عمرؓ کے بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن بسلسلۂ جہاد آئے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا : "یہ دونوں کہاں ٹھہرے ہیں ؟ مجھے بتایا گیا کہ شہر کے بالکل سرے پر ٹھہرے ہیں۔ اس سے پہلے مجھے امیرالمومنین نے لکھ بھیجا تھا۔ کہ اگر میں ان کے اہل خاندان میں کسی کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک کروں گا کہ تو وہ مجھے اس پر قرار واقعی تنبیہہ کریں گے۔ چنانچہ ان دونوں کے والد کے خوف سے نہ تو میں انہیں تحائف دے سکتا تھا۔ اور نہ ان سے ملنے جا سکتا تھا۔ ابھی یہ ہو ہی رہا تھا کہ کسی نے کہا :

عبدالرحمٰن بن عمر اور ابوسروعہ دم در منتظر ملاقات ہیں۔ میں نے کہا :

کہہ دو اندر آ جائیں۔ یہ دونوں آئے تو مگر بھیس بدلے ہوئے آئے اور کہا : ہم پر حد قائم کیجئے، کل شب ہم نے نشہ آور چیز پی تھی۔ اس پر میں نے انہیں سخت سست کہا اور جھڑک دیا۔

عبدالرحمٰن نے کہا :

" اگر آپ نے ہم پر حد نہ قائم کی تو میں والد کو اطلاع دے دوں گا۔" چنانچہ اب میری قطعی رائے یہ ہوئی کہ حد قائم ہونی چاہیئے ورنہ امیرالمومنین مجھ پر غضبناک ہو جائیں گے اور مجھے معزول کر دیں گے۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ عبداللہ بن عمرؓ بھی آ گئے۔ میں انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ ان کو مجلس میں ممتاز جگہ دوں۔

عبداللہ نے انکار کیا اور کہا :

"میرے والد کا حکم ہے کہ میں بغیر کسی بے حد اہم اور ناگزیر صورت کے آپ سے نہ ملوں۔ اور موجودہ صورت حالات اسی نوعیت کی ہے۔ میرا بھائی سب کے سامنے سر منڈوانے پر کسی صورت راضی نہ ہوگا۔ رہا ضرب کا معاملہ سو اس میں آپ کو اختیار ہے۔"

میں نے عبدالرحمٰن اور ابو سروعہ کو قصر امارت کے صحن میں نکالا اور حد شرعی قائم کرتے ہوئے انہیں کوڑے رسید کئے۔ چونکہ حد قائم کرنے کے ساتھ ساتھ شرعی مجرموں کے سر بھی منڈوائے جاتے تھے۔ اس لئے ان کے اور عبدالرحمٰن دونوں کے برملا حلقِ راس سے انکار پہ دونوں کی رعایت یوں کی گئی کہ عبداللہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن اور ابو سروعہ کو لیکر محل کے ایک کمرے میں داخل ہوئے اور یکے بعد دیگرے دونوں کا سر مونڈا۔ میں امیر المومنین کو اطلاع دینے ہی والا تھا کہ ان کا نامہ گرامی صادر ہوا جو یہ تھا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے عمرؓ امیر مومنین کی جانب سے، عاصی ابن عاصی کے نام، ابن عاصی مجھے تمہاری جرأت وجسارت اور تمہاری بدعہدی پر حیرت ہوئی، میں نے تمہارے تقرّر کے معاملہ میں اصحاب بدر تک کے مشورہ کو قبول نہیں کیا اور جب تم نے مجھے قول دے دیا کہ تم اپنے تمام وعدے پورے کروگے اور میرے احکامات کے نفاذ میں کوشش کروگے تو میں نے تمہیں امارت کے لئے چن لیا۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ تم نے بدعہدی کی ہے۔ اب میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم کو معزول کردوں۔ تم نے میرے لڑکے عبدالرحمٰن کو برملا سزا دینے سے احتراز کیا۔ تمہیں معلوم تھا کہ یہ میرے احکامات کی صریح خلاف ورزی ہے۔ عبدالرحمٰن کی حیثیت بھی کسی دوسرے شہری کی حیثیت تھی اور ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہونا چاہئے تھا جو کسی دوسرے کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ مگر تم نے تو یہ سوچا کہ عبدالرحمٰن امیر المومنین کے بیٹے ہیں۔ میرا مسلک یہ ہے کہ خدائی احکام کے نفاذ میں کسی کی رُو رعایت نہیں ہونی چاہئے۔ میرا یہ نامہ پہنچے تو عبدالرحمٰن کو ایک اونٹ کی ننگی پشت پہ سوار کرکے بھجوا دو۔ تاکہ اسے اسکی کارگزاری کا مزا چکھایا جاسکے۔"

میں نے عبدالرحمٰن کو روانہ کر دیا اور ابن عمر کو ان کے والد کا خط پڑھوا دیا۔ اس کے بعد میں نے امیر المومنین کو معذرت کا ایک خط لکھا اور اس میں میں نے لکھا :

" اسکی قسم، جس کی قسم سے بڑھ کر کوئی قسم نہیں ہوسکتی، مسلمان یا غیر مسلم، حد میں قصر امارت کے صحن ہی میں قائم کرتا ہوں۔"

اپنا یہ خط میں نے عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے کر دیا۔

خلاصۂ کلام، جب عبدالرحمٰن اپنے والد کے پاس پہنچے تو حالت یہ تھی کہ وہ ایک لبادہ اوڑھے ہوئے تھے اور نقاہت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے اونٹ سے اتر بھی نہ سکتے تھے۔ چھوٹتے ہی امیرالمومنین نے کہا:

"عبدالرحمٰن یہ تم نے کیا کیا؟" اور بس انہیں درّے رسید کرنے شروع کر دئیے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا بھی: "امیرالمومنین! ایک بار تو اس لڑکے پر حد قائم ہی ہو چکی ہے۔" عمرؓ ذرا متوجہ نہ ہوئے اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جھڑک دیا۔ اب عبدالرحمٰن بن عمرؓ چیخنے لگے اور کہا: "میں بیمار ہوں اور آپ مجھے مارے ڈال رہے ہیں۔" لیکن عمر بیٹے کو مارتے رہے اور انہیں قید کر دیا۔ اور وہ مزید بیمار ہوئے اور مر گئے۔

زہری نے سالم بن عبداللہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہوئے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"عہدِ فاروقی کا عہد تھا اور ہم مصر میں تھے۔ وہاں عبدالرحمٰن بن عمرؓ اور ابوسروعہ عقبہ بن الحارث نے کوئی ایسی چیز پی جو نشہ آور ثابت ہوئی۔ جب یہ بحال ہوئے تو مصر کے والی عمرو بن العاصؓ کے پاس گئے اور کہا: "ہم نے نشہ آور چیز پی لی ہے ہمیں پاک کر دیجئے۔"

یہ سب کچھ ہوتا رہا اور مجھے اس کا احساس تک بھی نہ ہوا کہ یہ لوگ امیرالمومنین کے پاس پہنچ گئے۔ جب میرے بھائی نے مجھ سے اس کا ذکر کیا تو میں نے کہا: "تم اندر آجاؤ، میں تمہاری شرعی سزا تم کو دے دوں اور تم کو پاک کر دوں۔"

عبدالرحمٰن نے مجھ کو بتایا کہ انہوں نے تو امیر سے ذکر کر دیا ہے۔ میں نے کہا: "چلو میں خود تمہارا سر مونڈ دوں ورنہ برسرِ عام تمہیں یہ برداشت کرنا پڑے گا۔"

ان دنوں حد قائم کرنے کے ساتھ ساتھ شرعی خطا کار کا سر بھی مونڈ دیا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن میرے ساتھ ہو لئے اور میں نے اپنے ہاتھ سے ان کا سر مونڈا۔ اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے انہیں کوڑے مارے۔ یہ اطلاع امیرالمومنین کو بھی پہنچی اور انہوں نے امیر مصر کو لکھا:

"میرے لڑکے عبدالرحمٰن کو اونٹ کی ننگی پشت پر سوار کر کے میرے پاس بھیج دو۔"

عمرو نے یہی کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے انہیں (عبدالرحمٰن کو) درّے مارے اور ان کے پورے خلافت ہونے کے باعث ان کو مزید سزا دی اور پھر چھوڑ دیا۔

اس کے بعد کئی مہینے تک وہ تندرست و سالم زندہ رہے۔ کچھ عرصہ بعد ان کی قضا آگئی اور وہ مر گئے۔ لیکن عوام یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اس لڑکے کی موت فاروقِ اعظمؓ کے اسے سزا دینے سے واقع ہوئی ہے۔ حالانکہ اسکی موت طبعی موت تھی۔

میں (ابن جوزی) اس بات کا مخالف ہوں کہ یہ تصور بھی کیا جائے کہ عبدالرحمٰن بن عمرؓ نے شراب پی تھی۔ دراصل انہوں نے نبیذ پیا تھا۔ اور ان کا خیال تھا کہ اس میں نشہ کی صفت نہیں پیدا ہوتی۔ یہی حال ابو سروعہ کا تھا، جو اصحاب بدر میں سے ہیں (یعنی وہ اس عظیم معرکہ حق و باطل میں پیغمبر کے جاں نثاروں اور اللہ کے غازیوں میں تھے۔) جس وقت نبیذ نے ان دونوں پر نشہ طاری کر دیا تو دونوں نے چاہا کہ ان کی تطہیر اور پاکی کا انتظام کر دیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ ان پر شرعی حد قائم کی جاتی۔ ہر چند کہ اس (نادانستہ نشہ نوشی پر) ندامت ہی کافی تھی لیکن اللہ کے ان دونوں غیور بندوں نے اللہ کی رضا کی خاطر اپنے نفوس کو سخت ملامت کی اور اپنے کو حد کے لئے تسلیم کیا۔

جہاں تک عمرؓ کی ضرب کا تعلق ہے وہ حد نہ تھی اس لئے کہ حد دہرائی نہیں جاتی بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ عبدالرحمٰن کی مزید فہمائش اور تنبیہہ ہو سکے اور امت کے سامنے شرع محمدی کی عظمت کا نقش قائم ہو سکے۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے اس واقعہ کو امیرالمومنین سے انتقام لینے کا ایک حربہ بنا رکھا ہے۔

کبھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ عمرؓ کے بیٹے کو بادہ نوشی کے سلسلہ میں مارا گیا۔ اور کبھی یہ ان پر زنا کا الزام لگاتے ہیں۔ پھر رقت انگیز طرز کلام سے لوگوں کو منافقانہ رلاتے ہیں۔

میں نے اپنی تصنیف "کتاب الموضوعات" میں مختلف طریقوں سے اس روایت کا ذکر کیا ہے لیکن اپنی اس کتاب کو میں نے ان روایتوں سے ملوث نہیں ہونے دیا۔

ابن عمرؓ کا ارشاد ہے:

"میرے والد کو اطلاع ملی کہ ان کے لڑکوں میں سے کسی نے اپنے بیرونی حصہ مکان یا باغیچہ پر چھت ڈلوائی ہے۔ فرمایا:

"اگر واقعی ایسا ہے تو میں اس لڑکے کے گھر میں یقیناً آگ لگا دوں گا۔"

حضرت مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہ

جنگِ آزادی میں علماء کا قائدانہ کردار

مولانا آزاد کی برسی کے موقع پر مولانا آزاد اکیڈمی کی طرف سے ایک تقریب گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں منعقد کی گئی تھی جس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مصری وزیر اوقاف اور ممتاز عالم ڈاکٹر عبدالمنعم النمر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے تقریر کی اور مولانا آزاد کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس نکتہ کو واضح کیا کہ علماء کا ہمیشہ یہ شعار رہا ہے کہ انہوں نے نہ صرف جنگِ آزادی میں حصہ لیا بلکہ اس میں قائدانہ کردار بھی ادا کیا ہے۔
مولانا کی یہ تقریر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

صدرِ گرامی و حاضرین جلسہ!

میں آج یہاں بہت عرصہ کے بعد گنگا پرشاد میموریل ہال میں حاضر ہوا ہوں۔ میں اسی کے پڑوس میں رہنے والا ہوں میری عمر لکھنؤ میں گذری یہیں پڑھا لکھا۔ یہاں آنے پر میرے حافظہ نے پچاس سال کی مسافت بجلی کی رفتار سے طے کر لی۔ اور مجھے وہ وقت یاد آیا جب شاید میری آنکھیں مولانا آزاد کے دیدار سے پہلی مرتبہ روشن ہوئی تھیں۔ میری عمر شاید چودہ پندرہ سال رہی ہوگی۔ یہ سن کر کہ مولانا آزاد کی تقریر گنگا پرشاد میموریل ہال میں ہونے والی ہے۔ میں بھی ایک تماشائی کی حیثیت سے یہاں حاضر ہوا۔

ایک چھوٹا سا واقعہ جس میں مولانا آزاد ہی نہیں بلکہ جس طبقہ سے وہ تعلق رکھتے تھے اس کی عظمت ہی نہیں بلکہ اس کی ذہنیت اور اس کے طریقِ فکر اور طرزِ زندگی کی پوری عکاسی ہے۔ میں آپ کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔ مولانا آزاد نے یہاں تقریر کی اور یہ وہ وقت تھا کہ جب ہندوستان میں صحیح معنوں میں ان کا طوطی بولتا تھا جیسا

میں نے لکھا ہے کہ "الہلال" کا "سحر حلال" جادو اس وقت سب کے سر پر چڑھ کر بول رہا تھا۔ ان کی کمان چڑھی ہوئی تھی اور ان کا تیر خطا نہیں جاتا تھا۔ وہ زمانہ تھا جب وہ یہاں آئے سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ سب کی آنکھوں کا نور تھے۔ انہوں نے یہاں سیاسی موضوع پر تقریر کی۔ لیکن اسی دوران میں مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ مجھے خوب یاد ہے اس ہال کے پیچھے ایک کشادہ جگہ تھی۔ وہاں مجمع کا وہ حصہ تھا جو نماز کا پابند تھا۔ امامت مولانا آزاد نے کی۔ مجھے بھی یہ سعادت حاصل ہوئی۔ میں نے ان کے پیچھے مغرب کی پڑھی۔ چھوٹی سی بات ہے معمولی سا واقعہ ہے۔ مسلمان کی زندگی، اس کے عقائد اور معمولات کے لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ لیکن میں اس سے ایک بہت بڑا نتیجہ نکالتا ہوں۔ یہ واقعہ کہ یہاں پر اس اسٹیج پر تقریر یہ اور انگریز کی حکومت کو للکارنا جس کے متعلق کہا جاتا تھا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اتنی وسیع ہے کہ سورج اس کی قلمرو میں غروب نہیں ہوتا۔ وہ شیر جو یہاں گرج رہا تھا اور برطانیہ کو چیلنج کر رہا تھا۔ اس کے دبدبہ اس کی سلطنت کو رعب وہ اپنے پورے شباب پر تھا) وہ شیر خدا کے سامنے سجدہ ریز تھا۔ یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن بہت بڑی بات ہے یہی اس طبقہ کی اصل تصویر ہے جس کی امامت مولانا آزاد نے کی۔ اور جس سے مولانا آزاد کا شروع سے آخر تک تعلق رہا۔ اور جس تعلق کو انہوں نے کبھی بھی ٹوٹنے نہیں دیا۔ وہ صحیح معنوں میں اس شعر کی تصویر تھے ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوسنا کے نہ داند جام و سنداں باختن

؎ یوں کسے کس نے بہم جام و سنداں دونوں

یہاں ساغر و سنداں، یہاں وہ گرج جو شیروں کا پتہ پانی کردے اور وہاں وہ عاجزی و نیاز کو جس کو دیکھ کر انسان کو اپنی حقیقت معلوم ہو۔ اس کو مولانا آزاد نے اپنی ذات میں جمع کیا۔ اور ان کا اس طبقہ سے اول سے آخر تک تعلق رہا۔ جو ان دونوں کو عزیز رکھتا تھا۔ اور ہم ہندوستانی مسلمانوں کا عمومیت کے ساتھ اور اس طبقہ کا جس کے ساتھ مولانا آزاد کا تعلق تھا جس کی بہترین روایات کے وہ حامل تھے۔ اور جس کی انہوں نے پورے طور پر ترجمان القرآن میں ترجمانی کی ہے۔ اس طبقہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے جس طرح محراب و منبر پر اپنی نیاز کا، اپنی عجز و عاجزی کا اظہار کیا اسی طرح حکومت وقت کے سامنے اپنی خودداری و غیرت کا اظہار کیا۔ یوں تو اپنی خودداری و غیرت کا اظہار کیا یوں تو اپنی معلومات اور اپنے محدود مطالعہ کے مطابق کہہ سکتا ہوں۔ ہمارے یہ صدر محترم ڈاکٹر عبدالمنعم النمر جو میرے بائیں تشریف فرما ہیں جن کی تقریر سے افتتاح ہوا ہے اس جلسہ کا، میرے عزیز اور قابل احترام دوست ہیں۔ ان کے ملک کو یہ فخر حاصل ہے میں ہندوستان کا ہندوستانی مسلمانوں کا مرتبہ اونچا کرنے کے لئے کسی دوسرے ملک کے ساتھ ناانصافی کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ میں تاریخ کا ایک طالب علم ہوں اور تاریخ کے طالب علم اور تاریخ نویس کو منصف اور حقیقت پسند ہونا چاہئے۔ مصر کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ جامع ازہر نے وہاں کی تحریک آزادی کی قیادت کی۔ انگریزوں نے بہت جلد یہ سمجھ لیا کہ ان کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ ان کی حکومت و اقتدار اور ان کے دبدبہ کے لئے سب سے زیادہ

نقصان وہ ان کی حکومت و اقتدار اور ان کے دبدبہ کے لئے سب سے زیادہ مضر اگر کوئی قلعہ ہو سکتا ہے تو وہ ازہر کا قلعہ ہے۔ جن لوگوں نے مصر کی تاریخ پڑھی ہے اور شیخ جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہ، مصطفیٰ کامل اور مصر کی تحریک آزادی پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ ازہر نے کیا فائدہ کردار کیا۔ یہی کردار یہاں کے ہندوستان کے مسلمانوں نے ادا کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا ہندوستانی علماء کا قدم کچھ آگے ہی رہا جس کا اعتراف ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر عبدالمنعم النمر نے کیا ہے۔

ہندوستان کے علماء نے جنگ آزادی میں جو حصہ لیا میں ان الفاظ کو علماء کے لئے ازالہ حیثیت عرفی کے مرادف سمجھتا ہوں۔ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ ہندوستانی مسلمان اور ہندوستان کے علماء نے جنگ آزادی کی سربراہی کی اور تحریک آزادی کی قیادت و رہنمائی کی۔ ۵۷ء سے بہت پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے سرفروش وجاں نثار ساتھیوں نے جن میں خاندان صادق پور کے لوگوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ انہوں نے دار و رسن اور میدان جنگ کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دیا۔ انہوں نے انگریزوں کے چھکے چھڑا دئے اور اتنا عاجز کیا کہ برطانوی پارلیمنٹ میں بار بار سوالات ہوئے کہ ہندوستان کی حکومت اتنی زیر بار کیوں ہو رہی ہے۔ اس نے اس شورش کا قلع قمع کیوں نہیں کیا۔ اس کا جواب دیا جاتے۔ ایک ایسا زمانہ آیا کہ وائسرائے (اس وقت وائسرائے نہیں ہوتے تھے بلکہ گورنر جنرل ہوتے تھے) کی حفاظت کے دستے میں چند سپاہی رہ گئے تھے اور باقی پوری فوج ہندوستان کی مغربی شمالی سرحد کے مورچے پر جھونک دی گئی تھی۔ جہاں ہندوستان کے مجاہدین نے مورچہ بنا لیا تھا اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے جانشینوں نے مقابلہ کیا تھا۔ پھر اس کے بعد شاملی کا میدان جس کے بعض قائدین کا ڈاکٹر عبدالمنعم النمر نے نام لیا ہے اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی جس کے قائد تھے۔ انہوں نے شاملی کے میدان میں انگریزوں سے مورچہ لیا۔ حافظ ضامن شہید وہاں شہید ہوئے۔ اس کے بعد ۱۸۶۴ء میں دی گریٹ وہابی کیس کے نام سے کیس چلا۔ اور ان کو پھانسی اور کالے پانی کی سزائیں دی گئیں۔ یہاں کے علماء میں سے چند کے نام میں بھی جانتا ہوں۔

مولانا یحییٰ علی صاحب۔ مولانا احمد اللہ صاحب صادق پوری کہ انہوں نے وہیں کالے پانی میں اپنی زندگی کے دن پورے کئے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نے وہاں کئی سال کاٹے۔ اور مولانا عنایت علی صاحب کاکوری نے وہاں بڑی بڑی شاندار کتابیں لکھیں۔ تاریخ کی روشنی میں میں پورے وثوق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ تقریباً ہر ملک کے علماء کا شعار رہا ہے۔ کہ انہوں نے جنگ آزادی میں اور بیرونی استعمار کا مقابلہ کرنے میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ اس کی قیادت کی۔ اس لئے کہ مسلمانوں کا مزاج ہمیشہ سے دینی رہا ہے۔ اگر آپ اس نکتہ کو سمجھ جائیں اور کاش ہمارے اس وقت کے سیاسی لیڈر دانشور اور مفکرین اگر اس نکتہ کو سمجھ جاتے کہ ؏

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ہزار انقلابات کے باوجود بھی اس کا مزاج جو ہے وہ مذہبی ہے اس پر اثر انہی لوگوں کا پڑ سکتا ہے جن کے پاس مذہبی اپیل ہے جو مذہبی طور پر اس کے جذبات کو متاثر کر سکتے ہوں۔ اور اس کو مطمئن کر سکتے ہوں۔ اس لئے کہ یہ ایک نفسیاتی اور انسانی حقیقت ہے۔ کہ ہر ملک میں وہی تحریک آزادی کامیاب ہوئی اور جنگ آزادی کا نتیجہ نکلا جس کی قیادت میں مذہبی عنصر شامل تھا اور جہاں مذہبی زبان بولی گئی۔

میں خاص طور پر الجیریا کا نام لیتا ہوں۔ الجزائر نے جب اعلان جہاد کیا فرانس کے مقابلہ میں۔ اور اس عہد کی تاریخ میں اس سے زیادہ قربانی اور کوئی ملک پیش نہیں کر سکتا۔ (میں کسی ملک کی قربانیوں کی تحقیر نہیں کرتا۔ میں خود ہندوستان کی تاریخ پر فخر کرتا ہوں اس پر اپنا حق سمجھتا ہوں) واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک جسمانی قربانی کا تعلق ہے سو برس کے اندر کسی ملک نے اتنے شہیدوں کا خون پیش نہیں کیا۔ اور اتنے شہیدوں کے سر نہیں پیش کئے۔ جتنا کہ الجیریا (الجزائر) نے پیش کئے۔ یہ ساری لڑائی مذہب کے نام پر لڑی گئی۔ آپ اس وقت کے فرنچ اخبارات کو دیکھیں جو وہاں سے نکلتے تھے۔ کہ اتنے فرانسیسی مقتول ہوتے اتنے مجاہدین مقتول ہوتے۔ عربوں تک کا نام نہیں ہوتا تھا (معاف کیا جائے قومیت عربیہ کا حصہ اس میں نہ ہونے کے برابر ہے) یہ خالص مذہبی جنگ تھی۔ مسلمان اپنے دین کی رو سے اپنے مذہب کی رو سے قرآن وحدیث کی تعلیمات کی رو سے اس بات کے پابند ہیں کہ وہ غیر ملکی اقتدار کو قبول نہ کریں۔ ان کا قرآن ان سے یہ مطالبہ کرتا ہے۔ دین و شریعت ان سے یہ مطالبہ کرتی ہے۔ اس لئے مسلمان کے لئے جو زبان آج سے ہزار برس پہلے قابل فہم تھی۔ جس زبان میں جادو کا اثر تھا۔ اور جس میں مقناطیس کا اثر تھا۔ جو زبان ان کے دلوں کی گہرائیوں کو چھوتی تھی۔ وہ زبان (معاف کیا جائے) سیاسی زبان نہیں ہے۔ یا اگر میں زیادہ احتیاط سے کام لوں تو خالص سیاسی زبان نہیں ہے وہ یا تو مذہبی زبان ہے یا نیم مذہبی زبان ہے۔ جس کو علماء نے سمجھا۔ صرف وہی جنگ آزادی کامیاب ہوئی۔ وہی جنگ آزادی اپنی منزل تک پہنچی۔ اس کے صحیح نتائج ظاہر ہوئے۔ جہاں مسلمانوں کے مزاج کو سمجھ کر ان سے نیم سیاسی، نیم مذہبی زبان میں خطاب کیا گیا۔ اور یہی راز ہے یہاں کی جنگ آزادی کی کامیابی کا اور جس طریقہ کی یہاں سر دھڑ کی بازی لگائی گئی اس میں یہی راز ہے کہ ان کی قیادت کرنے میں میدان جنگ میں ان کے سامنے جو لوگ آئے وہ اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مجھے اس سے بہتر موقع شاید نہ مل سکے کہ اس بات کا اعلان کروں کہ افسوس ہے ہندوستان کی تاریخ کے اس زریں ورق کو دبا دیا گیا۔ میں نہیں کہتا کہ سیاہی پھیری گئی ہے لیکن اس کو دبا ضرور دیا گیا ہے۔ یہ ورق ہرگز ہماری تاریخ سے خارج ہونے کا مستحق نہیں تھا۔ یہاں کی ہر چیز ہماری ملکیت ہے ہمیں اس پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔ کہ یہاں کے مسلمانوں نے اگر قربانیاں دیں۔ تو اس ملک کو آزاد کرنے کے لئے قربانیاں دیں۔ آپ ان کی فراخدلی ان کی دوربینی ان کی بلند نگاہی کو دیکھیں۔ سید احمد شہیدؒ کے خطوط پڑھیں جو انہوں نے مہاراج گوالیار کے نام لکھے ہیں۔ آج بڑے سے بڑے سیاستدان۔ بڑے سے بڑے سیاسی مبصر۔ بڑے

سے بڑے سیاستدان، بڑے سے بڑے سیاسی مبصر، بڑے سے بڑے لیڈر کی نظر میں وہ وسعت وہ دور بینی نہیں انگریزوں کی حکومت کے جن خطرات کی نشاندہی انہوں نے کی تھی انہوں نے بتا دیا کہ یہ حکومت سرطان کی طرح ملک میں پھیل رہی ہے جس نے عزت والوں کی عزت خاک میں ملا دی ہے۔ نہ مسلمان اس بے عزتی سے محفوظ ہیں نہ ہندو۔ انہوں نے کہا کہ آپ اطمینان سے نہ بیٹھیں یہ ریاستیں باقی نہیں رہیں گی۔ یہاں کسی عزت والے کی عزت محفوظ نہیں رہے گی اور پھر یہیں ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

سلطان ٹیپو شہید کا نام لیتا ہوں جس نے کہا تھا کہ "شیر کی زندگی کا ایک سال گیدڑ کی زندگی کے سو سال سے بہتر ہے"۔ ٹیپو سلطان وہ مرد دور اندیش اور مرد دوربین تھا جس نے سلطنت ترکی اور اس کے عثمانی خلیفہ کو یہاں سے خط لکھے ہیں کہ آئیے ہم آپ دونوں تعاون کر کے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالیں ورنہ نہ ہندوستان رہے گا اور نہ ترکی۔ کارنامے کی اہمیت دور بینی کی عظمت اپنے اپنے زمانہ سے ناپی جاتی ہے۔ کس زمانہ میں یہ بات کہی گئی ہے آج اگر یہ بات مولانا محمد علی جوہر یا گاندھی جی نے یہ بات کہی اور مجھے معاف کیجئے میں صاف کہوں کہ مولانا آزاد نے "الہلال" کے صفحات پر یہ بات کہی تو وہ اتنی قابلِ تعریف نہیں۔ لیکن سلطان جس محدود ماحول کا پروان چڑھا ہوا تھا وہاں بیٹھ کر سلطان ترکی سے خط و کتابت کرتا اور کہتا ہے کہ اطمینان نہ رکھئے آپ کی یہ حکومت اور یہ امپائر خطرہ میں ہے۔ اگر آپ نے اس وقت موقع شناسی اور دور بینی سے کام نہ لیا اور ہم آپ نے مل کر انگریزوں کے اس عفریت کو ہندوستان سے نہ نکالا تو یاد رکھئے نہ ہم باقی رہیں گے اور نہ آپ باقی رہیں گے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے بالعموم اور طبقہ علماء نے بالخصوص قائدانہ کردار ادا کیا ہے انہوں نے رہنمائی کی ہے۔ انہوں نے بہترین خون، بہترین فکر اور بہترین ذہن عطا کیا ہے۔ ہماری تحریک آزادی کو، ان کا ہاتھ ہمیشہ اپنے ملک اور زمانہ کی نبض پر رہا۔ وہ ملک و ملت اور انسانیت کے دل کی دھڑکن سمجھتے رہے اور اس کے ساتھ انہوں نے ہندوستان کی زندگی میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ یہاں کی ادبیات میں یہاں کی زبان کو ترقی دینے میں، یہاں کے تعلقات کو خوش گوار بنانے میں، یہاں بقاءِ باہمی کے اصول کو جاری کرنے میں، انسانیت کا پیام دینے میں انہوں نے ہمیشہ قائدانہ کردار ادا کیا۔

مجھے خوشی ہے کہ آج علماء ہند کے ان کارناموں اور انکی خدمات کا یہ اعتراف اور ان کے سرخیل مولانا ابوالکلام آزاد کی عظمت، ان کی بڑائی کا اعتراف ہم کسی ہندوستانی عالم یا کسی ہندوستانی مقرر کی زبان سے نہیں بلکہ مصر کے ایک ممتاز عالم و مصنف کی زبان سے سن رہے ہیں۔

اخوندزادہ عبدالقیوم فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
صدر مدرس و مفتی دارالعلوم حنفیہ ۔ چکوال

امام ابوحنیفہ ۔۔۔ بنام ۔۔۔ یوسف بن خالد سمتیؒ

وصیّتِ امام اعظم ابوحنیفہؒ

علماءِ حق کا منشور اور نسخۂ اکسیر!

سیدنا امام الائمہ، سراج الامت، سید الفقہا، محدث کبیر، حافظ الحدیث امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا یہ وصیت نامہ جو بظاہر ان کے شاگرد رشید یوسف بن خالد سمتیؒ کے نام ہے۔ مگر اصلاح و تربیتِ نفس، موعظت و حکمت آموزی میں سب کے لیے یکساں اور ہر ایک کی رہنمائی کے لئے نسخۂ اکسیر ہے۔ امام صاحب کی یہ "وصیت" اسلامی تعلیمات کا خلاصہ، ہزاروں صفحات کا نچوڑ، اور عمر بھر کے تجربات کا عطر ہے۔ امام صاحب اپنی اس مختصر مگر اہم ترین تالیف میں ایک مشفق باپ، ایک مہربان استاد، ایک ماہر نفسیات، عظیم دانشور، معلّم اخلاق، زبان کا دا شناس، اہلِ زمانہ کا مزاج شناس، کہنہ مشق اور صاحب طرز ادیب کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ گویا امام صاحب کی زندگی کا ایک ایسا رخ سامنے آجاتا ہے جو عموماً اوجھل رہا ہے۔

صاحبانِ عقل و خرد و اہلِ بصیرت کے ہاں امام ابوحنیفہؒ کی علمی خوبیوں، علم حدیث میں فضل و تفوق و مرتبۂ علیا حدیث دانی و حدیث فہمی میں مہارت و امامت، علم فقہ میں فضل و تقدم، فوق العادت علم و بصیرت، فہم و فراست، حزم و احتیاط اور جلالت شان کے لئے امام صاحبؒ کی یہ "وصیت" ایک عظیم اور مستقل سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ
(الحدیث)

بَعْدَ ان اَخَذَ یوسف بن خالد السمتی العلم عن ابی حنیفة و اَرَادَ الرّجوع اِلی بلدته البصرة اِستاذنَ ابا حنیفة فی ذلك، فقال له ابوحنیفة: حتّی ازوّدك	یوسف بن خالد سمتی نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں رہ کر تکمیل علم کر چکے تو وطن مالوف بصرہ کو واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ استاذ شفیق سے اجازت چاہی تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے چند باتیں کہنا چاہتا

بوصيتة فيما تحتاج اليه فى معاشرة الناس - و مراتب اهل العلم و تاديب النفس و سياسة الرّعيّة، و رياضة الخاصة و العامة، وتفقّد امر العامة، حتى اذا خرجت بعلمك كان معك آلة تصلح له، وتزينه ولا تشينه -

ہوں۔ یہ باتیں تمہیں ہر جگہ کام دیں گی۔ خواہ لوگوں کے ساتھ معاملات ہوں یا اہل علم کے مراتب کا سوال ہو۔ تادیب نفس کا مرحلہ ہو، یا خواص و عوام کی تکمیل ہو۔ یا عام حالات کی تحقیق مقصود ہو۔ غرض کہ یہ باتیں دینی اور دنیاوی زندگی کے ہر موڑ پر کام آئیں گی۔ اور علم کے لئے ایک ذریعہ خیر و صلاح بن جائیں گی۔

واعلم انّك متى اسأت معاشرة النّاس صاروا لك اعداءً، و ان كانوا لك آباءً و أمّهات و متى احسنت معاشرة قوم ليسوا لك باقرباء صاروا لك امهات وآباءً۔

اس نکتہ کو خوب سمجھ لو کہ جب تم انسانی معاشرے کو برا سمجھو گے تو لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے وہ تمہارے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں اور جب تم اس معاشرے کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو یہ معاشرہ تمہیں عزیز رکھے گا اور اس کے افراد تمہارے لئے ماں باپ بن جائیں گے۔

ثم قال لى: اصبر حتى افرغ لك نفسى، واجمع لك همّتى، و اعرّفك من الامر ما تحمدنى فى نفسك عليه۔ وما توفيقى الا بالله۔

پھر فرمایا: ذرا اطمینان سے مجھے چند باتیں کہنے دو میں تمہارے لئے ایسے امور کی نشاندہی کئے دیتا ہوں جن کا تم خود بخود شکریہ کے ساتھ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

فلمّا مضى الميعاد اخلى لى نفسه فقال: انا الكشف لك عمّا تعرّضت له۔
كانّى بك، وقد دخلت البصرة واقبلت على من يخالفوننا بها و رفعت نفسك عليهم، و تطاولت بعلمك لديهم، و انقبضت عن معاشرتهم و مخالطتهم و خالفتهم و خالفوك و هجرتهم وهجروك و شتمتهم و شتموك . وضلّلتهم

تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ دیکھو! گویا میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم بصرہ پہنچ گئے ہو اور تم اپنے مخالفوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اپنے آپ کو ان پر فوقیت دینے لگے۔ تم نے اپنے علم کی وجہ سے خود کو ان پر بڑا ثابت کیا۔ ان کے ساتھ اختلاط کو برا سمجھا۔ ان کے معاشرے سے منقبض ہوتے۔ ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ نتیجہ میں انہوں نے بھی تمہاری مخالفت کی۔ تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ انہوں نے بھی تمہیں منہ نہ لگایا تم نے انہیں گالی دی۔ ترکی بہ ترکی جواب ملا۔ تم نے

وَ ضَلَّلُوكَ وَبَدَّعُوكَ، وَاتَّصَلَ الشَّينُ بِنَا وَبِكَ، فَاحْتَجْتَ إِلَى الإِنتِقَالِ عَنْهُمْ وَالهَرَبِ مِنْهُمْ، وَ هٰذا لَيسَ مِنْ رَأيٍ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِعَاقِلٍ مَنْ لَمْ يُدَارِ مَنْ لَيْسَ لَهُ مِن مُدَارَاتِهِ بُدٌّ حَتّٰى يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُ مَخْرَجًا.

انہیں گمراہ کہا، توانہوں نے تمہیں بدعتی اور گمراہ گردانا۔ یہ تو سب کا دامن آلودہ ہوگیا۔ اب تمہیں ضرورت ہوئی کہ تم ان سے کہیں دور بھاگ جاؤ اور یہ کھلی حماقت ہے۔ وہ شخص کبھی اچھی سوجھ بوجھ کا نہیں ہو سکتا ہے کہ اسے کسی سے واسطہ پڑا ہو اور وہ کوئی راہ پیدا ہونے تک نباہ نہ کر سکے۔

إِذَا دَخَلْتَ الْبَصرَةَ اسْتَقْبَلَكَ النَّاسُ وَزَارُوكَ، عَرَفُوا حَقَّكَ، فَأَنزِلْ كُلَّ رَجُلٍ مِنْهُمْ مَنْزِلَتَهُ، وَ أَكْرِمْ أَهْلَ الشَّرَفِ وَ عَظِّمْ أَهْلَ الْعِلمِ، وَ وَقِّرِ الشُّيُوخَ، وَلَاطِفِ الأَحْدَاثَ وَ تَقَرَّبْ مِنَ الْعَامَّةِ،

جب تم بصرے پہنچو گے تو لوگ تمہارا خیر مقدم کریں گے۔ تم سے ملاقات کے لئے آئیں گے۔ کیونکہ یہ ان کا معاشرتی فریضہ ہے۔ اب تم ہر ایک کو اس کا مقام عطا کرو۔ بزرگوں کی عزت کرو۔ علماء کی تعظیم کرو۔ بوڑھوں کی توقیر کرو۔ نوجوانوں سے نرمی کا برتاؤ کرو عوام کے قریب رہو۔

وَ دَارِ الْفُجَّارِ. وَ أَصْحِبِ الأَخيَارِ وَلَا تَتَهَاوَنَ بِالسُّلطَانِ، وَلَا تَحقِرَنَّ أَحَدًا. وَلَا تُقَصِّرَنَّ فِي إِقَامَةِ مُرُوءَتِكَ، وَلَا تُخْرِجَنَّ سِرَّكَ إِلَى أَحَدٍ، وَلَا تَثِقَنَّ بِصُحْبَةِ أَحَدٍ حَتّٰى تَمْتَحِنَهُ، وَلَا تُصَادِقْ خَسِيسًا وَلَا وَضِيعًا، وَلَا تَأْلَفَنَّ مَا يُنْكَرُ عَلَيكَ فِي ظَاهِرِكَ، وَ إِيَّاكَ وَ الاِنْبِسَاطَ إِلَى السُّفَهَاءِ وَلَا تُجِيبَنَّ دَعْوَةً. وَلَا تَقْبَلَنَّ هَدِيَّةً.

نیک و بد کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھو۔ بادشاہِ وقت کی توہین نہ کرو، کسی کو کمتر نہ سمجھو۔ اپنی مروّت و شرافت کو پس پشت نہ ڈالو۔ اپنا راز کسی پر فاش نہ کرو۔ بغیر پرکھے ہوئے کسی پر اعتماد نہ کر بیٹھو خسیس الطبع اور کمینوں سے میل ملاپ نہ رکھو اس شخص سے محبت و الفت کا اظہار نہ کرو جو تمہیں ناپسند کرتا ہو۔ سنو! کہ احمقوں سے مل کر خوشی کا اظہار نہ کرو، نہ ان کی دعوت پر لبیک کہو اور نہ ہی ان کا ہدیہ قبول کرو۔

وَ عَلَيكَ بِالْمُدَارَةِ، وَالصَّبرِ وَ الِاحْتِمَالِ، وَ حُسْنِ الْخُلُقِ وَسَعَةِ الصَّدْرِ. وَاسْتَجِدَّ ثِيَابَكَ. وَاسْتَفْرِهْ

نرم گفتاری، ضبط و تحمل، حسنِ اخلاق، کشادہ دلی، اچھے لباس اور خوشبو کو اپنے لئے لازم رکھو سواریوں میں ہمیشہ اچھی سواری رکھو۔ حوائج ضروریہ

دابتك و اكثر استعمال الطيب واجعل
لنفسك خلوة ترم بها حوائجك
وابحث عن اخبار حشمك ولقدم
في تاديبهم وتقويمهم . واستعمل
في ذلك الرفق، ولا تكثر العتاب
فيهون العذل، ولاتل تاديبهم بنفسك
فانه ابقى لحالك.

وحافظ على صلواتك، وابذل
طعامك، فانه ما ساد بخيل قط
ولتكن لك بطانة تعرفك اخبار
الناس فمتى عرفت بفساد بادرت
الى اصلاحه، ومتى عرفت بصلاح
ازددت فيه رغبة و عناية

وزر من يزورك، و من لا
يزورك، و احسن الى من يحسن اليك
او يسيئ. و خذ العفو، وأمر
بالمعروف، و تغافل عما لا يعنيك
واترك كل من يؤذيك، و بادر في
اقامة الحقوق. و من مرض في
اخوانك فعده بنفسك، و
تعاهده برسلك، و من غاب منهم
افتقدت احواله، و من قعد منهم
عنك فلا تقعد انت عنه، وصل
من جفاك و اكرم من اتاك، واعف
عمن اساء اليك، ومن تكلم فيك

کے لئے کوئی وقت مقرر کر لو تاکہ ہر کام کو آسانی سے
کر سکو، اپنے ساتھیوں سے غفلت نہ برتو۔ ان کی
درستگی کی سب سے پہلے فکر کرو۔ مگر اس میں نرمی کا
دامن ہاتھ سے نہ جانے دو۔ نرم لہجہ میں گفتگو کو اپناؤ۔
عتاب و توبیخ سے بچو کہ اس سے ناصح ذلیل ہو جاتا ہے
انہیں اس بات کا موقع نہ دو کہ وہ تمہاری تادیب کریں
ایسا کرنے سے تمہارے حالات درست رہیں گے۔

نماز کی پابندی کرو۔ سخاوت سے کام لو۔ کیونکہ
بخیل آدمی کبھی سردار نہیں بن سکتا۔ اپنا ایک مشیر کار
بنا لو جو تمہیں لوگوں کے حالات سے مطلع کرتا رہے
اور جب تمہیں کوئی خراب بات نظر آئے تو اس کی اصلاح
کرنے میں جلدی کرو۔ جب تم اصلاح کی راہ پاؤ تو اپنی رغبت
اور عنایت کو اور بڑھا دو۔

جو شخص تم سے ملے اس سے ملا کرو۔ اور اس سے
بھی جو نہ ملے۔ جو شخص تمہارے ساتھ نیک سلوک کرے
اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو۔ اور اگر کوئی بدخلقی
سے پیش آئے تو تم حسن اخلاق کا ثبوت دو۔ عفو
اور کرم کو مضبوطی سے تھام لو۔ نیک کاموں کی طرف لوگوں
کو متوجہ کرو۔ اور جو شخص تمہارے درپے آزار ہو اس سے
ترک تعلق کر لو۔ حقوق کی ادائیگی میں کوشاں رہو۔ اگر کوئی
مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو اس کی مزاج پرسی کرو اور
اگر کوئی آنا چھوڑ دے تو تم نہ چھوڑو۔ اگر کوئی شخص تم
پر ظلم کرے تو اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ جو شخص تمہارے
پاس آئے اس کی عزت کرو۔ اگر کسی نے تمہاری برائی
کی تو اس سے درگذر کرو۔ جو شخص تمہارے خلاف

بالقبیح فتکلّم فیه بالحسن و الجمیل، و من مات منهم قضیت حقّه، و من کانت له هنّا ته بها۔ و من کانت له مصیبة عزّیته عنها۔ و من اصابته جائحة توجّعت بها، و من استنهضك بامرٍ من اموره نهضت له، و من استغاثك فاغثه، و من استنصرك نصرته، و اظهر تودّدًا الی النّاس ما استطعت و افش السّلام ولو علی قومٍ لئامٍ، و متی جمع بینك و بین غیرك مجلس، او ضلّك و ایّاهم مسجد، و جرت المسائل و خاضوا فیها بخلاف ما عندك لا تبدلهم منك خلافًا۔

غلط قسم کا پروپیگنڈہ کرے اس کے بارے میں تم اچھی بات کرو۔ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے حقوق پورے کردو۔ اگر کسی کو خوشی کا موقع میسر آجائے تو اسے مبارک باد دو۔ اگر کسی پر مصیبت آپڑے تو اس کی غم خواری کرو۔ اگر کسی پر آفت ٹوٹ پڑے تو اس کے غم میں شرکت کرو۔ اگر کوئی تم سے کام لینا چاہے تو کردو۔ اگر کوئی فریادی ہو تو اس کی فریاد سن لو۔ اگر کوئی طالب نصرت ہو تو اس کی مدد کرو۔ جہاں تک ہو سکے لوگوں سے محبت اور راحت کا اظہار کرو۔ سلام کو رواج دو۔ خواہ وہ کمینوں ہی کی جماعت ہو۔ اگر مسجد میں یا تمہارے پاس کچھ لوگ بیٹھے مسائل پر گفتگو کر رہے ہوں تو ان سے اختلاف رائے نہ کرو۔

فان سئلت عنها اخبرت بما یعرفه القوم، ثمّ تقول: فیها قول آخر، و هو کذا و کذا، و الحجّة له کذا، فان سمعوه منك عرفوا منزلتك و مقدارك و اعط کلّ من یختلف الیك نوعًا من العلم ینظر فیه۔

اگر تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو پہلے جو لوگوں میں رائج ہوا سے بتاؤ پھر کہو اس میں دوسرا قول بھی ہے اور وہ ایسے اور ایسے ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے اگر انہوں نے سن لیا تو یقیناً ان کے دلوں میں تمہاری قدر ومنزلت ہو جائے گی۔ جو شخص تمہاری مخالفت کرے تو اسے ایسی کوئی راہ دکھا دو جس پر وہ غور کرے۔

و خذهم بجلیّ العلم دون دقیقه و انسهم و مازحهم احیانًا و حادثهم فانّها تجلب لك المودّة، و تستدیم

لوگوں کو آسان باتیں بتایا کرو۔ دقیق اور گہرے مسائل نہ بیان کرو۔ مبادا وہ غلط مطلب سمجھ لیں۔ ان سے لطف اور مہربانی کا معاملہ کرو۔ کبھی کبھی ان سے

مُواطبةَ العِلمِ، وَ اَطعِمهُم احيانًا، وَ تغافَلْ عَنْ زَلّاتِهِم، وَ اقْضِ حَوائجَهُم، وَ ارْفَقْ بِهِم، وَسامِحْهُم وَلا تُبْدِ لِاَحدٍ مِنْهُم ضِيقَ صَدْرٍ اَوْ ضَجَرا، وَ كُنْ كَواحِدٍ مِنْهُم وَ عامِلِ النّاسَ مُعامَلَتَكَ لِنَفْسِكَ وَ ارْضَ مِنهُم ما تَرْضاهُ لِنَفْسِكَ وَاسْتَعِن عَلىٰ نَفْسِكَ بِالصِّيانَةِ لَهَا، وَالمُرَاقَبَةِ لِاَحْوالِهَا، وَدَعِ الشَّغَبَ، وَلَا تَضْجَرْ لِمَنْ يَفْجُرُ عَلَيكَ، وَاسْمَعْ مَنْ يَسْتَمِعُ مِنْكَ وَلَا تُكَلِّفِ النَّاسَ مَالَا يُكَلِّفُونَكَ وَارْضَ لَهُمْ مَارَضُوا لِاَنْفُسِهِمْ، وَقَدِّمْ اِلَيْهِمْ حُسْنَ النِّيَّةِ، وَاسْتَعْمِلِ الصِّدقَ وَاطْرَحْ اَلْكِبرَ جَانِبًا، وَ اِيَّاكَ وَ الْغَدرَ وَ اِنْ غَدَروابك، وَ ادّالامانَةَ، وَ اِنْ خَانُوكَ، وَ تَمَسَّكْ بِالْوَفَاءِ، وَاعْتَصِمْ بِالتَّقْوٰى، وَ عَاشِرْ اَهلَ الْاَدْيَانِ حَسْبَ مُعَاشَرَتِهِمْ ـــــ فَاِنَّكَ اِنْ تَمَسَّكْتَ بِوَصِيَّتِي هٰذِهِ رَجَوْتُ لَكَ اَنْ تَسْلَمَ ثُمَّ قَالَ لَهُ: اِنَّهُ يُحْزِنُنِي مُفَارَقَتُكَ وَ تُؤْنِسُنِي مَعْرِفَتُكَ فَوَاصِلْنِي بِكُتُبِكَ؟ وَ عَرِّفْنِي حَوائِجَكَ، وَكُنْ لِي كَابْنٍ فَاِنِّي لَكَ كَابٌ ـــ وصلى الله على سيدنا محمدٍ النبيِّ الاميِّ وَعَلىٰ آلهٖ وصحبهٖ وَ سلّمَ۔

ہنسی اور مذاق بھی کیا کرو کیونکہ تمہارا یہ عمل لوگوں میں محبت پیدا کرے گا۔ ہمیشہ علمی چرچا رکھو۔ اور کبھی کبھی ان کی دعوت کر دیا کرو، ان سے سخاوت کیا کرو۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے تغافل برتو۔ انکی ضروریات کو پورا کرو۔ لطف و کرم اور چشم پوشی کو اپنا خاصہ بنالو۔ کسی سے دل تنگ اور زجر و بیخ سے پیش نہ آؤ۔ آپس میں گھل مل کر اسطرح رہو گویا تم ایک ہی ہو۔ لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، ان کے لئے وہی چیزیں پسند کرو جو تمہیں مرغوب ہوں، نفس کی حفاظت کرو اور احوال کی دیکھ بھال رکھو فتنہ انگیزی سے دور رہو۔ اگر کوئی شخص تمہیں زجر و توبیخ کرے تو تم اسے نہ جھڑکو، اگر کوئی تمہاری باتیں غور سے سن رہا ہو تو تم بھی اس کی طرف کان لگالو، لوگوں کو ایسی چیز کا مکلف نہ بناؤ جس کی وہ تمہیں تکلیف نہیں دے رہے ہیں حسن نیت سے عوام کا خیر مقدم کرو۔ سچائی کو لازم رکھو۔ غرور و تکبر کو ایک طرف ڈال دو۔ دھوکہ بازی سے دور رہو۔ چاہے لوگ تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کر رہے ہوں۔ امانت میں خیانت نہ کرو۔ خواہ لوگ تمہارے ساتھ خیانت ہی کیوں نہ کر رہے ہوں۔ وفاداری اور تقوٰی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اہل کتاب سے وہی رہن سہن رکھو جیسا وہ تمہارے ساتھ رکھ رہے ہیں ـــــ پس اگر تم نے میری اس وصیت پر عمل کیا تو یقیناً ہر آفت سے بچے رہو گے۔ دیکھو اس وقت میں دو کیفیتوں سے دوچار ہوں تم نظر سے دور ہو جاؤ گے اس کا تو غم ہے اور اس پر مسرت ہے کہ تم نیک و بد کو پہچان لوگے۔ خط و کتابت جاری رکھنا اپنی ضرورتوں سے مطلع کرتے رہنا تم میری اولاد ہو۔ میں باپ ہوں ـــ وصلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الامی

پاکستان آرمی ایجوکیشن کور کے شعبہ اسلامیات میں

ڈائریکٹ شارٹ سروس کمیشن

پاکستان آرمی کو ایسے باحوصلہ اور باصلاحیت
افراد کی ضرورت ہے جو بطورِ آفیسر فوج میں دینی معلم کے
فرائض سرانجام دے سکیں۔ مطلوبہ قابلیت اور شرائط ملازمت حسبِ ذیل ہیں۔

تعلیمی قابلیت:

(الف) ایم اے اسلامیات۔ (جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے تخصص ایم اے اسلامیات تصور کیا جائے گا۔) اور درجہ اوّل و دوم کو ترجیح دی جائے گی (ب) فارغ / فاضل اور درسِ نظامی

نوٹ : جنہوں نے ایم اے اسلامیات کا امتحان دیا ہو اور نتیجہ کا انتظار ہو وہ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔

عمر:

یکم اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء کو ۲۵ سال تک (پاکستان آرمی کے مولوی صاحبان "ریلیجس ٹیچر" کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں) منتخب شدہ امیدواروں کو فوری طور پر فوج کی ایجوکیشن کور (شعبہ اسلامیات) میں بطورِ سیکنڈ لیفٹیننٹ کمیشن دیا جائے گا۔
تنخواہ کا اسکیل حسبِ ذیل ہے :-

عہدہ اور تنخواہ:

عہدہ	تنخواہ	کٹ الاؤنس	ڈسٹربنس تنخواہ	سٹاف تنخواہ	زیادہ سے زیادہ تنخواہ
سیکنڈ لیفٹیننٹ	۱۰۰۰/-	۲۵۰/-	۲۰۰/-	-	۱۴۵۰/-
لیفٹیننٹ	۱۰۵۰/-۱۲۰۰/-	۲۵۰/-	۲۰۰/-	-	۱۶۵۰/-
کیپٹن	۱۱۵۰/-۱۱۰۰/-	۲۵۰/-	۳۰۰/-	۷۵/-	۲۲۲۵/-
میجر	۱۵۵۰/-۲۳۰۰/-	۲۵۰/-	۳۰۰/-	۱۰۰/-	۲۹۵۰/-
لیفٹیننٹ کرنل	۲۰۵۰/-۲۵۰۰/-	۲۵۰/-	۵۰/-	۲۰/-	۳۲۰۰/-

اس کے علاوہ کمیشن ملنے پر صرف ایک دفعہ ۲۱۰۰/ روپے ملبوسات کے لئے دیئے جائیں گے۔

ملازمت کی جگہ :- پاکستان میں یا پاکستان سے باہر کسی بھی جگہ

پیشہ ورانہ تربیت :- کمیشن پانے کے بعد ضروری پیشہ ورانہ تربیت دی جائیگی

طریق انتخاب :- (الف) کسی سروس ہسپتال میں طبی معائنہ
(ب) تحریری امتحان انٹیلیجنس اور پرسنلٹی ٹسٹ آئی ایس ایس بی کوہاٹ
(ج) آخری انتخاب جنرل ہیڈکوارٹرز۔ راولپنڈی

درخواستیں مجوزہ فارم پر پی اے۔ ۳ (بی) اے جی برانچ۔ جنرل ہیڈکوارٹرز۔ راولپنڈی کے نام ۵/- روپے کے کراسڈ پوسٹل آرڈر بنام ڈی پی اے کے ساتھ ۲۰ ستمبر ۱۹۸۰ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ درخواستوں کے فارم ریکروٹنگ آفیسرز، سٹیشن ہیڈکوارٹرز، سولجر بورڈز۔ اور ایمپلائمنٹ ایکسچینج سے ۵/- روپے کا کراسڈ پوسٹل آرڈر بنام ڈی پی اے دکھا کر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

نوٹ :- جو حضرات اس سے پہلے دو دفعہ درخواست دے چکے ہیں اور ناکام رہے ہیں وہ درخواست نہ بھیجیں۔

DENTAL GRADUATES! GAIN A COMMISSION IN THE ARMY DENTAL CORPS

Applications are invited from Male/Female Dental Graduates for Short Service Regular Commission in Army Dental Corps.

1. ELIGIBILITY

a. Nationality. Must be male/female citizen of Pakistan and his/her stay in Pakistan must be more than three years.

b. Qualification. BDS or any other qualification recognised/registerable by Pakistan Medical and Dental Council.

c. Maximum Age (on 15-8-80)
28 years (Relaxable in special cases).

2. TERMS OF SERVICE – SHORT SERVICE REGULAR COMMISSION

For 5 years initially, extendable for so long as services are required.

3. GRANT OF RANK

Selected candidates will be commissioned in the rank of Captain. Officers will be promoted to the rank of Major after 6 years service including antedate provided they pass Captain to Major promotion examination and fulfil other conditions laid down under the rules.

4. ANTE DATE SENIORITY AND OTHER OPPORTUNITIES

a. Antedate seniority for recognised postgraduate qualifications admissible according to rules.

b. Chances exist for subsequent selection for Regular Commission.

c. Opportunities are available for post-gratudate training in Pakistan/Abroad.

5. INELIGIBILITY

Officers who had to resign their commission or whose services were terminated as a result of an adverse report or on disciplinary grounds will not be eligible. Candiates once rejected by Army Dental Corps Selection Board may apply for a second time provided they have gained additional qualifications/experience.

6. SELECTION PROCEDURE AND TA/DA

a. Applicants who are prima facie suitable will be medically examined in the various military hospitals nearest to the home stations.

b. Medically fit candidates will be interviewed by Selection Board at General Headquarters, Rawalpindi.

c. Travelling Allowance at first class rates and daily allowance per day as admissible under the existing rules for the duration of stay in connection with interview will be paid to the applicants.

7. PROCEDURE FOR SUBMISSION OF APPLICATIONS

a. Printed applications Forms can be had from all Recruiting Offices, Military Hospitals and Medical Colleges. Applications completed in all respects alongwith two copies of latest photographs duly attested by the officer who signs the character certificate, crossed Postal Order for Rs. 5.00 payable to DPA GHQ (Treasury Receipt, Money Orders or Bank Receipts are NOT accepted) and one attested copy each of Matric Certificate, BDS degree or any other post-graduate qualification certificate and Medical Registration Certificate. Original documents will be produced by the candidates at the time of interview.

b. Applications of Dental Graduates now in Govt. service must be routed through proper channel.

c. Incomplete applications will not be entertained.

d. Last date for applications to reach Adjutant General Branch, Personnel Administration Directorate (PA-3(c), General Headquarters, Rawalpindi by REGISTERED POST is

15th August 1980

join the men who lead the way

ADGROUP

جناب سید صباح الدین عبدالرحمان صاحب

چودہ سو صدیاں اور مسلمانوں و عیسائیوں کی تاریخ کا ایک جائزہ

مسلمانوں کی تاریخ داغدار کرنے والے عیسائی اس آئینہ میں اپنی تصویر بھی دیکھ لیں

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے چودہ سو سال ہو رہے ہیں۔ اس مدت میں عیسائی مبلغین مورخین اور مستشرقین یہ دکھانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ سفاکیوں، ہولناکیوں اور خونریزیوں سے ایسی بھری ہوئی ہے کہ یہ قصائی کی دوکان نظر آتی ہے۔ ع ہیں ان کی گفتگو کے انداز مجرمانہ۔

عیسائی مسلمانوں کے خلاف یہ جارحانہ رنگ اختیار کرکے اپنی داغدار تاریخ کی مدافعت کرتے ہیں، کیونکہ درحقیقت ان ہی کی تاریخ شروع سے مذبح خانہ بنی رہی، یورپ کے فرمانروا چارلس اعظم کی فتوحات کی بڑی دھوم ہے، اس نے سیکسن، ایوارڈ، لمبارڈ، وسطی یورپ کے جرمن قبیلوں اور شمالی اٹلی کو اپنے زیرنگیں کرکے ایک بڑی سلطنت بنالی تھی جب سیکسن اس کے خلاف اٹھے تو اس نے ایک روز ساڑھے چار ہزار سیکسن کو تہ تیغ کیا، شمالی سیکسنی اور نارول نن جن کو تباہ و برباد کرادیا، وہاں کی عورتوں اور بچوں کو گھسیٹ کر ان کے گھروں سے نکلوایا، اور ان کو جلاوطن کیا، اسکی تفصیل کیمبرج مڈیول ہسٹری جلد دوم میں پڑھی جاسکتی ہے۔ ولیم اوّل نے ۱۰۶۶ء میں انگلستان کو فتح کیا، تو اس کے حکم سے مفتوحہ علاقے کے گھر، کھلیان اور کھیت وغیرہ سب کچھ جلا دئے گئے، ایک لاکھ سے زیادہ مردوں بچوں اور عورتوں کو قتل کرایا، لن گارڈ نے تاریخ انگلستان جلد دوم میں لکھا ہے کہ یارک اور درہم کے علاقے اس طرح تباہ کر دئے گئے تھے کہ نو سال تک وہاں کی زمین کھیتی کے لائق نہیں رہی۔ ایڈم نے اپنی پولیٹیکل ہسٹری آف انگلینڈ جلد دوم میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں فاتحین مفتوحین کے ساتھ کسی قسم کی رو رعایت نہیں کرتے،

سینٹ برتھالومیو ایک مشہور کیتھولک ولی گذرا ہے، اس کا میلہ ہر سال ۲۴ اگست کو ہوا کرتا ہے ۱۵۷۲ء

جناب سید صباح الدین عبدالرحمان صاحب

چودہ سو صدیاں اور مسلمانوں و عیسائیوں کی تاریخ کا ایک جائزہ

مسلمانوں کی تاریخ داغدار کرنے والے عیسائی اس آئینہ میں اپنی تصویر بھی دیکھ لیں

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے چودہ سو (۱۴۰۰) سال ہو رہے ہیں۔ اس مدت میں عیسائی مبلغین مورخین اور مستشرقین یہ دکھانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ سفاکیوں، ہولناکیوں اور خونریزیوں سے ایسی بھری ہوئی ہے کہ یہ قصائی کی دوکان نظر آتی ہے۔ ع ہیں ان کی گفتگو کے انداز مجرمانہ۔

عیسائی مسلمانوں کے خلاف یہ جارحانہ رنگ اختیار کر کے اپنی داغدار تاریخ کی مدافعت کرتے ہیں، کیونکہ درحقیقت ان ہی کی تاریخ شروع سے مذبح خانہ بنی رہی، یورپ کے فرمانروا چارلس اعظم کی فتوحات کی بڑی دھوم ہے، اس نے سیکسن، ایوارڈ، لمبارڈ، وسطی یورپ کے جرمن قبیلوں اور شمالی اٹلی کو اپنے زیرنگیں کر کے ایک بڑی سلطنت بنالی تھی جب سیکسن اس کے خلاف اٹھے تو اس نے ایک روز ساڑھے چار ہزار سیکسن کو تہ تیغ کیا، شمالی سیکسنی اور نارول بن جن کو تباہ و برباد کرادیا، وہاں کی عورتوں اور بچوں کو گھسیٹ کر ان کے گھروں سے نکلوایا، اور ان کو جلاوطن کیا، اسکی تفصیل کیمبرج مڈیول ہسٹری جلد دوم میں پڑھی جاسکتی ہے۔ ولیم اوّل نے ۱۰۶۶ء میں انگلستان کو فتح کیا، تو اس کے حکم سے مفتوحہ علاقے کے گھر، کھلیان اور کھیت وغیرہ سب کچھ جلا دئے گئے، ایک لاکھ سے زیادہ مردوں بچوں اور عورتوں کو قتل کرایا، لن گارڈ نے تاریخ انگلستان جلد دوم میں لکھا ہے کہ یارک اور درہم کے علاقے اس طرح تباہ کر دئے گئے تھے کہ نو سال تک وہاں کی زمین کھیتی کے لائق نہیں رہی۔ ایڈم نے اپنی پولیٹیکل ہسٹری آف انگلینڈ جلد دوم میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں فاتحین مفتوحین کے ساتھ کسی قسم کی رو رعایت نہیں کرتے،

سینٹ برتھالومیو ایک مشہور کیتھولک ولی گذرا ہے، اس کا میلہ ہر سال ۲۴ اگست کو ہوا کرتا ہے ۱۵۷۲ء

ان کی حکومت برابر کھٹکتی رہی، جب نارمن عیسائیوں نے ان پر حملہ کیا تو بلرم شہر میں پانچ سو مسجدیں تھیں، ان کو منہدم کر کے گرجا گھر میں تبدیل کر دیا، وہاں علماء صوفیہ، اور حکماء کی جتنی قبریں تھیں سب نیست و نابود کر دی گئیں۔ چارلس دوئم کے زمانہ میں سسلی کے مسلمانوں کو زبردستی عیسائیوں کا بپتسمہ دیدیا گیا۔ نوسیرا اور یوسیرا کے مسلمانوں کی تعداد اسی ہزار تھی، ان کو زبردستی عیسائی بنالیا گیا۔ ہر جگہ مسلمانوں سے خالی کرالی گئی، اسکی تفصیل ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ میں پڑھی جا سکتی ہے۔

بارہویں اور تیرہویں صدی میں یورپ کے عیسائیوں نے دو سو برس تک مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ اس لئے کی کہ ان کو صفحۂ دہر سے نابود کر دیں، تاریخ یورپ کے مصنف ایچ۔ جی گرانٹ نے لکھا ہے کہ صلیبیوں کے نزدیک دشمن کو قتل کرنا خدا کی عبادت کے مساوی تھا۔ بیت المقدس عیسائیوں نے فتح کیا تو ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ "صلیب کے علمبرداروں نے تین دن تک اتنا قتل عام کیا کہ ستر ہزار لاشوں کی وجہ سے وبا پھیل گئی، جب اس سے بھی ان کو تشفی نہیں ہوئی تو یہودیوں کو ان کی عبادت گاہوں میں جلا دیا گیا۔" ان کے فوجی سرداروں نے اس خونریزی کی خوشی میں اپنے پوپ کو لکھا کہ اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ ہم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، تو اتنا لکھ دینا کافی ہے، کہ جب ہمارے سپاہی حضرت سلیمانؑ کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔

اسپین میں مسلمان آٹھ سو برس تک رہے اور بقول موسیو لیبان اس ملک کو انہوں نے یورپ کا سرتاج بنا دیا تھا، مگر یہاں سے عیسائیوں نے ان کو جسطرح در بدر کیا، اس کی تاریخ موسیو لیبان نے اس طرح لکھی ہے کہ ۱۴۹۹ء سے وہاں کے مسلمانوں پر وہ مظالم شروع ہوئے جو ایک صدی کے اندر ان کے اخراج کلی پر منتہی ہوئے۔ پہلے تو وہ بالجبر عیسائی بنائے گئے، پھر اس بہانہ سے کہ وہ عیسائی ہیں وہ اس مقدس مذہبی عدالت کے سپرد کئے گئے جس نے انہیں جہاں تک ممکن ہوا، آگ میں جلایا، پھر یہ ایک تجویز پیش کی گئی کہ کل غیر عیسائی عرب عورتوں اور بچوں کے ساتھ قتل کر دئے جائیں، یہ ممکن نہ ہو سکا تو یہ عام اشتہار دیا گیا کہ سارے عرب ایک ساتھ ملک سے نکل جائیں۔ راہب بلیڈا نے بڑی خوشی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان عربوں میں سے ۳/۴ راہ میں قتل کر دئے گئے، ایک ہی مہاجرت میں جس میں ایک لاکھ چالیس ہزار عرب افریقہ کو جا رہے تھے۔ ایک لاکھ مار ڈالے گئے۔ چند مہینے کے اندر اندلس سے دس لاکھ سے بھی زیادہ آدمی نکل گئے، سدیؔلو اور اکثر مورخین اندازہ کرتے ہیں کہ فرڈی ننڈ کی فتح سے لے کر مسلمانوں کے اخراج تک اندلس سے تیس ۳۰ لاکھ رعیت نکل گئی۔ ایسے قتل عام کے بعد سنیت برتھالیمو کا واقعہ دھندلا ہو کر رہ جاتا ہے، موسیو لیبان ہی کا بیان ہے کہ وحشی سے وحشی اور بے رحم سے بے رحم ملک گیروں نے کبھی اس قسم کے دردناک قتل عام کا دھبہ اپنے دامن پر نہیں لگایا۔

۱۸۲۱ء میں یونان کے علاقہ موریا میں تین لاکھ اور یونان کے شمالی حصہ میں ہزاروں مسلمان، مرد بچے اور عورتیں بڑی بے رحمی سے ہلاک کئے گئے۔ تفصیل مارماڈیوک پکھتال کی کتاب دی کلچرل سانڈ آف اسلام میں پڑھی جا سکتی ہے۔

خود ہندوستان کے اندر عیسائی سامراجیوں کی ہولناکیاں کم درد انگیز نہیں ہیں۔ سات سمندر پار کے ایک ملک سے آکر انگریزوں نے یہاں کے جائز باشندوں کو اپنی توپ و تفنگ سے موت کے گھاٹ اتارا۔ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں نوجوان سراج الدولہ کو شکست دے کر اس کو اسکی وراثت سے محروم کیا، ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کو اس کے قلعہ کے اندر گھس کر تہ تیغ کیا، ۱۸۵۷ء میں جب ہندوستانیوں نے اپنے ملک کی آزادی کی خاطر سرفروشی سے کام لیا۔ تو انہی انگریزوں نے اپنی توپ و تفنگ سے ستائیس ہزار مسلمانوں اور ہندوستانیوں کو لقمۂ اجل بنا دیا، دہلی کو مذبح خانہ بنا دیا گیا نوے سال کے بوڑھے بہادر شاہ ظفر کو معزول کر کے ان کو جلا وطن کیا، ان کے شہزادوں میں سے مرزا خضر سلطان اور مرزا ابوبکر کو دہلی دروازہ کے پاس لاکر اور ان کے کپڑے اتار کر بڑی سفاکی سے گولی مار دی، ان کی لاشوں کو سر بازار لٹکائے رکھا، اس کے بعد بیس اور شہزادوں کو پھانسی دی گئی، کیا وہ ملکہ وکٹوریہ کی مادر وطن پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، کہ اس جرم کی سزا ان کو دی گئی۔

اس بیسویں صدی میں جب جمہوریت، اخوت، مساوات اور انسانی ہمدردی کا اعلیٰ درس دیا جانے لگا، تو پہلی جنگ عظیم کے بعد ٹرکش امپائر کا بنا بچہ کرنے کے لئے جب عیسائیوں کی فوج اناطولیہ میں ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو داخل ہوتی تو یورپ کا مشہور مورخ توائن بی لکھتا ہے کہ یہ فوج اناطولیہ پر ایک بلائے ناگہانی کیطرح نازل ہوتی سمرنا کی گلیوں میں شہر کے لوگوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ محلے کے محلے اور گاؤں کے گاؤں لوٹ لئے گئے زرخیز وادیوں میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے، خون کی ندیاں بہنے لگیں، ملک کی تجارت کو تباہ کر دیا گیا۔ مکان پل اور سڑکیں مسمار کر دی گئیں، ملک کے باشندے تلوار کے گھاٹ اتار دئیے گئے جو بچ رہے، ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔

مسلمان حکمرانوں کے زمانہ میں بھی لڑائیاں ہوتی رہیں، اور ان میں خونریزیاں بھی ضرور ہوتیں، مگر یورپ کے عیسائی فرمانرواؤں کی سفاکیوں اور خصوصاً دوسروں کے وطن میں جاکر وہاں کے لوگوں کو غلام بنانے کے سلسلے میں ان کی شر انگیزیوں اور فتنہ پردازیوں کی مفصل تاریخ لکھی جاتے تو پھر ان کے مقابلہ میں مسلم حکمران صفحۂ دہر سے باطل کو مٹانے والے، نوع انسان کو غلامی سے چھڑانے والے اور مے توحید کا جام پلانے والے ہی نظر آئیں گے، وہ جہاں پہنچے، اسکی خاک کو اپنی جبینوں میں بسایا، اس کے ذرے ذرے کو سینوں سے لگایا، سات سمندر پار رہ کر درخشندہ فلزات سے اپنے بینکوں کی عمارتوں کی تعبیر کی رعنائی اور رونق میں اضافہ نہیں کیا۔ باقی ص۱۴۱ پر

چودھویں صدی ہجری اختتام کو پہنچنے والی ہے ، اس صدی کے خاتمے پر سارے عالم میں اسلام پر مذاکرے کی خبریں آرہی ہیں جن میں اسلام کے چودہ سو سال کے کارناموں کا مختلف انداز سے جائزہ لیا جائے گا ۔

یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ نہایت تابناک رہی ہے ۔ اس مدت میں میں انہوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں بلند ترین علمی کارنامے انجام دیئے اور یہ کارہائے علمی اتنے شاندار ہیں کہ تمام عالم کو ان پر بجا طور پر فخر ہے ۔ ایسے اعلیٰ کارناموں کی بجا آوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی سو سال تک سارے عالم کی علمی و فکری سربراہی مسلمانوں کے حصے میں رہی ۔ اسلامی دنیا کے مغربی حصے میں قرطبہ اور مشرقی منطقے میں بغداد صدیوں تک دنیا کے سب سے بڑے علمی و فکری مراکز رہے ہیں ، لیکن بمصداق اس کے کہ ہر کمال را زوال ان کی رفتار ترقی سست ہونے لگی اور جب اسلامی معاشرہ زوال پذیر ہو گیا ۔ تو علمی اجارہ داری مغرب کے حصے میں آئی اور انہوں نے علم کو ترقی کے جس درجہ پر پہنچا دیا ہے ۔ وہ اظہر من الشمس ہے ۔ سارا عالم ان کے احسان سے گرانبار ہے ۔

نہایت خوشی کا مقام ہے ۔ کہ ادھر چند سالوں سے مسلمانوں کو اپنے کھوئے ہوئے سرمایہ کی بازیافت کی فکر پیدا ہو رہی ہے ۔ احساسِ زیاں نے ان کے دلوں میں نئی امنگیں پیدا کر دی ہیں ۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ سارے عالم میں چودھویں صدی کے خاتمے پر تقریبات منانے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے ۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے شاندار ماضی کی روشنی میں مستقبل کی منصوبہ بندی ہو اور حال کے کارناموں پر بھی ایک نظر ڈالی جائے ۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مغربی اور مشرقی علوم کی ایک عالمی درسگاہ ہے ۔ اس کی وجہ سے اس کا ایک مخصوص کردار ہو گیا جس میں ایسی کشش ہے کہ ہند اور بیرون ہند سے مشتاقانِ علم کشاں کشاں اسکی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں ۔
ہماری یونیورسٹی مشرقی علوم خصوصاً علوم اسلامی کا بڑا مرکز رہی ہے ۔ اس کے پیش نظر ہمارے وائس چانسلر

پروفیسر محمد شفیع صاحب نے اس خیال کا اظہار کیا کہ یونیورسٹی میں بھی اس کے شایان شان چودھویں صدی کی تقریبات منائی جائیں۔ چنانچہ طے کیا گیا کہ چودھویں صدی کے خاتمے پر ایک عالمی مذاکرہ منعقد کیا جائے جس میں اسلام کے کارناموں کا بھرپور جائزہ لیا جائے۔ لیکن واضح رہے کہ اسلام کے چودہ سو سالہ کارناموں کا ہمہ جہتی جائزہ ایک سیمنار کے حوزے سے باہر ہے۔ اس بنا پر طے کیا گیا کہ ہمارا اصل موضوع بحث تو چودھویں صدی ہو لیکن عمومی طور پر سارے کاموں پر اجمالی نظر ڈالی جائے اس لئے کہ ماضی کے بغیر حال کی تفہیم اور مستقبل کی منصوبہ بندی کا تصور ناقص اور ادھورا رہے گا۔

سیمنار کی مجلس مشاورت نے طے کیا ہے کہ ۲۱ / ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۳۱ / اکتوبر ۱۹۸۰ء سے دینیات فیکلٹی کے زیر اہتمام ایک پنج روزہ سیمنار منعقد ہو۔ اس میں ہند اور بیرون ہند کے مشہور عالموں، دانشوروں اور مفکروں کو شرکت کی دعوت دی جائے اور ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی افکار عالیہ سے ہم کو سرفراز فرمائیں۔

اس سیمنار میں شرکت کرنے والے حضرات کی میزبانی کے فرائض مسلم یونیورسٹی علی گڑھ انجام دے گی۔ کوشش اس بات کی ہوگی کہ حتی الوسع مہمانوں کی خدمت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ ہمارے وائس چانسلر صاحب نے بھرپور مالی تعاون کی امید دلائی ہے۔ اس بنا پر ہمیں یقین ہے کہ ہم اپنی کوشش میں پوری طرح کامیاب ہوں گے۔

موضوعات مذاکرہ حسب ذیل ہیں :-

۱۔ اسلام اور علم | وہ علوم جو اسلام کے دین ہیں۔ الف۔ علوم قرآن۔ ب۔ علم حدیث و اسماء الرجال وغیرہ۔ ج۔ علم تجوید د۔ علم فقہ ہ۔ علم کلام۔

۲۔ وہ علوم جن کی اسلام کی شرکت سے تشکیل جدید ہوئی۔ | الف۔ علم تاریخ (فن تاریخ نگاری) ب۔ علم جغرافیہ۔ ج۔ علم تصوف و اخلاق۔ د۔ علم طب (مسلمانوں کی طبی خدمات، نظری و عملی) ہ۔ فنون لطیفہ (تعمیرات اور خطاطی وغیرہ) و۔ علم فلسفہ د۔ علم ہیئت، مابعد الطبیعات، نفسیات، عمرانیات، صحافت (اخبار، جرائد)

۳۔ سائنس، انجینئرنگ اور ٹکنالوجی | الف۔ علم کیمیا۔ ب۔ علم حیوانات۔ ج۔ علم نباتات۔ د۔ علم طبعیات۔ ہ۔ علم طبقات الارض۔ و۔ ہندسہ، ریاضی (جدید علم ریاضی میں مسلمانوں کی خدمت)

۴۔ اسلامی معاشیات | الف۔ تجارت ب۔ بینکنگ وغیرہ

۲۔ مسلمانوں کی تعلیمی درسگاہیں اور علمی ادارے۔ ۳۔ اسلام اور جدید تقاضے :- الف۔ فقہ اسلامی کی تدوین جدید۔ رائج نظامہائے حکومت، لامذہبیت، سوشلزم وغیرہ پر اسلامی پہلو سے بحث۔ ج۔ اسلامی

ملکوں کا شرعی نظام اور اس میں تبدیلیاں ۔ ہ۔ اسلامی نظام کو عملی جامہ پہنانے کا بڑھتا ہوا رجحان

۴۔ مسلمانوں کی انقلابی، اصلاحی اور علمی تحریکیں :- الف۔ مجدد الف ثانیؒ اور ان کی تحریک ۔ ب۔ تحریک شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید وحاجی شریعت اللہ ۔ ج۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی (سلفیہ تحریک) د۔ سنفرانماب اور ان کا خاندان مجدد مذہب جعفری ۔ ہ۔ اخوان المسلمین ۔ و۔ تحریک خلافت ۔ ز۔ تحریک سنوسی، مہدوی تحریک، درسوڈان ۔ ح۔ تحریک جمال الدین افغانی، محمد عبدہ ۔ ط۔ اقبال اور الٰہیات کی تشکیل جدید ۔ ی۔ انقلاب ایران میں علماء کا حصہ۔

۵۔ اسلام اور مغرب ۔ الف۔ مغربی تعلیم ۔ جدید تعلیم کا رجحان ۔ ب۔ اسلامی تہذیب کے اثرات مغربی تہذیب پر ۔ ج۔ مستشرقین اور اسلامی افکار ۔ د۔ مغربی مفکرین اور علماء اسلام ۔ ہ۔ سیرت نبویؐ اور مستشرقین ۔

۶۔ علی گڑھ تحریک ۔

۷۔ ہندوستان میں نشو ونما پانیوالی اسلامی تحریکیں الف۔ جماعت اسلامی ۔ ب۔ تبلیغی جماعت ۔ ج۔ جمعیۃ العلماء ہند ۔ د۔ شیعہ کانفرنس ۔ ہ۔ جمعیت اہل حدیث ۔

۸۔ اسلام اور ہندوستان الف۔ اسلام کا اثر ہندوستانی تہذیب پر ۔ ب۔ ہندوستانی تہذیب کا اثر اسلام پر ۔

۹۔ پندرھویں صدی ہجری کا استقبال الف۔ پندرھویں صدی ہجری کے تقاضے اور مطالبات ۔

بقیہ : ایک جائزہ

پھر دونوں میں یہ بھی فرق رہا کہ مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ زیادتی کرنے والوں سے لڑائی لڑی جائے جو لوگ دین کے بارے میں لڑیں ان سے بھی لڑائی کی جائے جو لوگ گھروں سے نکال باہر کریں ان سے اور ان کی مدد کرنے والوں سے بھی جنگ کی جائے ، عیسائیوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ جو تیرے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے اپنا بایاں گال بھی پھیر دے ۔ جو تجھ کو ایک میل بیگار لے جائے تو اس کے ساتھ دو میل جا ۔ جو تیرا کوٹ مانگے تو اسکو اپنا کرتہ بھی دیدے ۔ کیا عیسائی فرمانرواؤں نے اس پر عمل کیا ؟ عمل کرنے کی بجائے وہ جہاں پہنچے اسکو مرگھٹ اور گورستان بنا دیا ، مگر اپنی تاریخ نویسی کے طلسم سامری سے اپنے سارے جرائم دوسروں خصوصاً مسلمانوں پر رکھ کر عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتے ہیں ، مسلمانوں کو ان عیارانہ تحریروں سے بے نیاز ہو کر یہ ثابت کر دکھانا ہے کہ

مرے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے مجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

جناب حکیم آفتاب احمد صاحب قرشی ایم اے

طب اسلامی

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طبی ہدایات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس شمع ہدایت ہے۔ رسالت مآب نے ایسا دستور العمل پیش کیا جو روح اور جسم پر حاوی ہے۔ اور انسان کی روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے حضور سرکار دو عالم نے انسانی صحت کی جانب بھی توجہ فرمائی۔ رحمۃ اللعالمین کے انسانی صحت کے بارے میں ارشادات بڑے بلند پایہ اور افادیت سے بھرپور ہیں۔ ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر انسان صحت مند اور امراض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اس لئے اسلام مسلمانوں کو یہی ہدایت کرتا ہے کہ وہ فطری اور پاکیزہ زندگی بسر کرے۔ قوانین فطرت کی اطاعت و پابندی کرے۔ اس طرح وہ تندرست و توانا رہے گا۔ تجربات اس امر پر شاہد ہیں کہ جو لوگ فطری اور پاکیزہ زندگی گزارتے ہیں۔ وہ بالعموم صحت مند ہوتے ہیں۔ فطری زندگی سے انحراف کی سزا مرض ہے۔

تعلیم یافتہ معالج علاج کریں

رسولِ اکرمؐ کی عظمت کے قربان جائیے کہ انہوں نے چودہ سو برس پہلے جو ارشادات فرمائے تھے آج انسانیت اپنی تمامتر ترقی کے بعد انہی خطوط پر غور و فکر کر رہی ہے۔ دنیا بھر میں اب یہ اصول تسلیم کر لیا گیا ہے کہ علاج کا حق فقط تعلیم یافتہ معالجوں کو حاصل ہے۔

اس مقصد کے لئے رجسٹریشن کے قوانین نافذ ہیں۔ مگر اس کے باوجود خود مغرب میں لاکھوں عطائی معالج ہیں اور ان سے ارباب حکومت پریشان ہیں۔ اس بارے میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو برس قبل راہ نمائی فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علاج سے واقف نہ ہو اور نادانی سے علاج کرے۔ وہ ضامن ہے۔ علماء نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ جو شخص نادانی سے علاج کرے اور وہ شخص ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمانت لازم ہو گی۔

اس حدیث کی رو سے علاج کا حق فقط تعلیم یافتہ کرے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس ارشادِ نبوت پر عمل پیرا ہوں اور تعلیم یافتہ معالجوں سے علاج کرائیں۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدایت سے بھی مسلمانوں کو سرفراز فرمایا کہ جب علاج کے لئے دو معالج جمع ہو جائیں تو زیادہ قابل اور حاذق معالج کا علاج کرائیں۔

کھانے کے لئے ہدایات غذا انسانی جسم کے لئے بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ انسان مناسب مقدار میں غذا استعمال کرے اور اس کا معدہ درست ہو تو وہ صحت مند رہے گا۔ مگر یہ حقیقت کس قدر افسوسناک اور تلخ ہے کہ ایک جانب تو ملک میں لاکھوں افراد ہیں جو فاقہ کشی کی زندگی پر مجبور ہیں اور دوسری جانب ایک طبقہ ہے جو زیادہ کھانے سے اپنی صحت خراب کر رہا ہے۔ یہ طبقہ اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ زیادہ کھانے سے بدن میں طاقت پیدا ہوتی ہے۔ حالاں کہ زیادہ کھانا صحت کے لئے مضر ہے۔

سرکار دو عالمؐ خود کم کھانا پسند فرماتے تھے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ کھانا اتنا کھایا جائے کہ ایک دو نوالوں کی بھوک باقی رہ جائے۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ بھوک سے زیادہ کھانے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اناپ شناپ کھانے کو بھی حضور نے پسند نہیں فرمایا۔ شاہ مدینہ فرمایا کرتے تھے کہ زیادہ کھانے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ حضورؐ نے معدہ کے متعلق فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کی نالیاں ہیں۔ اگر معدہ درست ہو تو رگیں صحت مند رہتی ہیں۔ معدہ کے خراب ہونے کی صورت میں رگیں بھی متاثر ہوتی ہیں۔ بعض لوگ رات کا کھانا چھوڑ دیتے ہیں یہ طبی اعتبار سے مفید ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ رات کا کھانا چھوڑ دینے سے بڑھاپا جلد آجاتا ہے۔ روٹی یا چاول مکمل انسانی غذا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور غذا بھی ہونی چاہئے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کھانے کے ساتھ سالن استعمال کیا کرو، چاہے پانی ہی ہو۔ حضور اقدسؐ نے تکیہ لگا کر کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ حضور صلعم نے مٹی کھانے سے منع فرمایا۔ اور اسے مسلمانوں کے لئے حرام قرار دیا۔ حضورؐ کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھوتے۔ دودھ پی کر بھی کلی کرتے۔ کسی صاف تنکے سے دانتوں کی ریخوں سے غذا کے ذرے نکالتے۔ سید المرسلین نے ارشاد فرمایا۔ کہ رات کھانے کے بعد فوراً سونا نہیں چاہئے بلکہ غذا کو نماز اور ذکر سے ہضم کرکے سونا چاہئے۔

جامع مولانا عبدالرشید بھلی شریف

اِصلاح وتزکیۂ نفس
مشائخ واکابر امّت کے ملفوظات

★ فرائض عبودیت کی بجا آوری کا جو کام انسان کے ذمے ہے وہ کسی اور مخلوق کے ذمے نہیں ہے۔ لہٰذا محض رسمی طاعات اور ریا دتی عبادت سے کام نہ بن سکے گا۔ بندگی کے لئے کمر ہمت مضبوط باندھیں۔ نیز بات چیت اور کھانے پینے میں بہت زیادہ احتیاط درکار ہے (مولانا سعد الدینؒ)

★ حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اروا حہم کے طریقہ میں ایک بہت بڑا بنیادی اصول "ہوش دردم" کا ہے۔ یہ حضرات ایک سانس بھی غفلت میں گذارنے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔ ان کا اس بارے میں معاملہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ بعض حضرات غفلت کو کفر شمار کرتے ہیں۔ ان کے اس قول کی تائید حضرت عطارؒ کے اس شعر سے حاصل ہوتی ہے۔

ہر آں کو غافل از حق یک زماں است
دراں دم کافر است اما نہاں است
اگر آں غافلے پیوستہ بودے
در اسلام بروئے بستہ بودے

یعنی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی یاد سے کسی وقت غافل ہوتا ہے تو وہ اس وقت کافر ہوتا ہے۔ مگر وہ پوشیدہ کافر ہے۔ اگر حق تعالیٰ سے اس کی غفلت لگاتار ہو گی تو اس پر اسلام کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ (ایضاً)

★ بعض لوگ سستی کی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ دینی کام "کل" کر لوں گا۔ اس طرح اسے ٹال دیتے ہیں۔ مگر وہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ان کا آج کا دن بھی تو گذشتہ کل کا دن ہے۔ بتاؤ آج کونسا کام کیا ہے؟

مکن در کار نہ بہار تاخیر — کہ در تاخیر آفتہا است جاں سوز
نہ کُندہ بہا تے طبع جبلت آموز — قیاس امروز گیر از حال دیروز

یعنی کام کرنے میں دیر ہرگز نہ کرو۔ کیونکہ دیر میں جان سوز آفتیں ہیں۔ طبیعت کی کم فہمی کی وجہ سے کام کو کل پر ٹالنے کے بہانے تلاش کرنے والے آج کا قیاس گذشتہ دن پر کرے۔ (مولانا شمس الدین رومیؒ)

★ زندگی کی فرصت کو بہت غنیمت جاننا چاہیئے۔ اور وہ اعمال صالحہ بجا لانے چاہیئں جو نجات اخروی کا سبب بنیں۔ (سید امیر کلالؒ)

★ جاننا چاہیئے کہ "تصوّف" کا مطلب یہ ہے کہ (اول) دل کو غیر اللہ تعالیٰ سے پاکیزہ کیا جائے۔ اور (دوم) بدن کو خدا تعالیٰ کے فرضوں اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے آراستہ کیا جائے (ایضاً)

★ حق پرست اہل تصوف وہ ہیں جو سنت مطہرہ کی متابعت کرتے ہیں۔ یعنی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور اللہ تعالیٰ کے فرضوں کو وقت پر ادا کرتے ہیں۔ اور "شعر و سماع" سے پرہیز کرتے ہیں، اور مشاہدہ بازی (غیر محرم عورتوں اور امرد لڑکوں کے دیکھنے سے احتراز کرتے ہیں۔ اور حرام لقمہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں یعنی ان کی خدمت کرتے ہیں۔ اور اپنا بوجھ کسی پر نہیں ڈالتے اور مسلمانوں پر رحم کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ محبت اور نرمی سے پیش آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے رہتے ہیں۔ اور کسی کی غیبت نہیں کرتے اور دنیا کی آرائش و آسائش کا سہارا نہیں لیتے اور اس کے ساتھ دل نہیں لگاتے۔ حضرات صحابہ کرامؓ اور وہ نیک اور صالح حضرات جو حضرات صحابہ کرامؓ کے پیرو ہیں۔ ان کی سیرت کو اپناتے ہیں اور گذشتہ بزرگوں کا انکار نہیں کرتے۔ اور بدعتیوں کی متابعت نہیں کرتے۔ اور اہلسنت والجماعت کا فرقہ، جو حق پر ہے اس کی دوستی دل سے ہرگز نہیں نکالتے۔ کیونکہ ان سب حضرات کی دوستی اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ

(الحجرات آیت ۳)

ترجمہ:- یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے جب تم اہلسنت والجماعت کے حال سے مطلع ہو گئے ہو تو تمہیں ان کی متابعت کرنی چاہیئے۔ اور ان کی صحبت میں رہنا چاہیئے۔ اور بدعتیوں کے سب فرقے گمراہ ہیں۔ ان کی صحبت اختیار نہ کرنی چاہیئے: تاکہ آخرت میں پشیمانی نہ اٹھانی پڑے۔ (ایضاً)

★ روزی حاصل کرنے کے لئے کوئی جائز کسب اختیار کریں اور روزی حلال کسب سے "عفاف و کفاف" (پرہیزگاری سے بقدر ضرورت) کے طریقے سے حاصل کریں۔ اور "لاف و اسراف" کے لئے حاصل نہ کریں۔ اس حلال روزی میں سے

اول اپنے گھر والوں پر شریعت کے مطابق خرچ کریں۔ اسراف ہرگز نہ کریں۔ اور بخل سے بھی کام نہ لیں۔ بلکہ میانہ روی اختیار کریں کیونکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا

بھلے کام وہ ہیں جن میں میانہ روی ہو۔ اور حلال وجہ سے کھائیں۔ (ایضاً)

★ اے دوستو! ہر وقت تم اس بات کے منتظر رہو کہ نماز کا وقت کب ہوگا۔ تاکہ اس کے ادا کرنے میں مشغول ہو جاؤ اور طہارت و وضو کو نماز کے وقت سے پہلے ہی کر لو تاکہ نماز کا وقت آنے پر کوئی تقصیر نہ ہو جائے۔ نماز خشوع و حضورِ قلب سے پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ اور نماز کے وقت کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوں۔ کیونکہ یہ مثل مشہور ہے ؎

وَعَجِّلُوْا بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْفَوْتِ وَعَجِّلُوْا بِالتَّوْبَةِ قَبْلَ الْمَوْتِ

اور نماز کے پڑھنے میں جلدی کرو، اس سے قبل کہ وہ فوت ہو جائے اور توبہ میں جلدی کرو اس سے قبل کہ موت آ جائے۔ اور ہر وقت توبہ میں مشغول رہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ

گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے کوئی گناہ ہی نہیں۔ (ایضاً)

★ طمع و مزہ کو خلق سے منقطع کریں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس پر قانع رہیں۔ کیونکہ طمع کرنے والا ہمیشہ غمگین اور قناعت کرنے والا ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ (ایضاً)

★ اگر کوئی شخص تمہاری تعظیم نہ کرے تو اس کا خیال کبھی بھی دل میں نہ لائیں کہ فلاں شخص نے میری تعظیم نہیں کی اور ایسی بات کبھی بھی زبان پر نہ لائیں۔ اگر کوئی شخص تمہاری تعظیم کرے اور یہ بات تمہیں اچھی لگے تو اس بات کو بھی کبھی خیال میں نہ لائیں۔ اور یہ سمجھ کر کہ میں لوگوں میں پیارا ہوں۔ اور وہ مجھے عزیز سمجھتے ہیں، مغرور نہ بن جائیں (ایضاً)

★ کسی شخص کی ظلم و گناہ میں دلالت نہ کریں۔

★ اپنے خاندان والوں کے ساتھ خوش خلق رہیں اگر وہ سختی کریں تو تمہیں اپنی زبان نہ کھولنی چاہیئے۔

★ عالموں کی صحبت اختیار کریں (تاکہ عمل کی توفیق حاصل ہو) اور یاد رکھیں کہ جس علم پر عمل نہ کیا جائے وہ شیطان کا رومال ہے۔ علم اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر اس پر عمل کیا جائے گا تو وہ بہت ہو جائے گا۔ (ایضاً ص۲)

★ ایمان سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور "موت" سے بہتر کوئی عبرت نہیں۔ (ایضاً)

★ اگر آپ چاہتے ہیں (اور ایسا چاہئے بھی) کہ آپ کا کام صحیح ہو تو آپ کو چاہئے کہ ایک قدم، بلکہ ایک سانس بھر بھی کبھی اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہ بنیں۔ اور ایک قدم بھی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر نہ رکھیں۔ اور

ترک ہوا کریں۔ اور اپنی مرضی چھوڑ دیں۔ اور رضائے حق تعالیٰ طلب کریں۔ تاکہ آخرت کی دولت تمہیں حاصل ہو جائے
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۙ (النّٰزعٰت آیت ۴۰-۴۱)

ترجمہ: اور لیکن جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا۔ اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا سو بے شک اس کا ٹھکانا بہشت ہی ہے۔ (ایضاً)

★ دوستو! اس شخص سے ڈرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس شخص سے نہ ڈرو جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اسے رنج نہ پہنچاؤ۔ تاکہ اس کی بددعا سے تم کو رنج نہ پہنچے۔ (ایضاً)

★ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص حرام کا ایک لقمہ کھاتا ہے چالیس دن تک اس کی عبادت "حجاب" میں رہتی ہے۔ اور ہر وہ لباس جس میں ایک دھاگا حرام کا ہو اس کو پہننے سے تب تک طاعت قبول نہیں ہوتی جب تک وہ دھاگا اس کے لباس میں موجود رہے۔ لہٰذا جب تک لقمہ اور لباس کو پاک و حلال نہ رکھو گے تب تک تمہاری نماز، روزہ اور جہاد قبول نہ ہوں گے۔ (ایضاً)

★ ہر حال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجا لانے رہیں اور ہمیشہ غیر شرعی باتوں اور بدعتوں کے انکار کرنے والے بنیں اور اس آیت پر غور کریں کہ کل قیامت کے دن کیا معاملہ درپیش ہوگا۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم۔ آیت ۷)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔
کہتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ایک دن ہوا چل رہی تھی اور حضرت عبدالعلامؒ مختصر لباس میں کھڑے تھے اور ان کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اے شیخ آپ کو پسینہ کس وجہ سے آرہا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ایک دن اسی جگہ پر شریعت کی منع کردہ بات کی جا رہی تھی۔ اور مجھ میں طاقت تھی کہ شریعت کے خلاف بات کرنے والوں کو منع کروں۔ مگر میں نے ان کو نہ روکا۔ اب میری پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن اس گناہ سے کیسے نجات حاصل کروں گا۔ اور اس دن بچنے کی کیا تدبیر کروں گا؟
اب آپ اپنے آپ کو جانچیں کہ اپنی ذات کو اور دوسروں کو کس قدر امر بالمعروف اور نہی منکر کی ہدایت کرتے ہیں۔ (ایضاً ص ۵۵)

خان غازی کابلی احراری کے قلم سے

یادوں کے چراغ جگمگاتے ہیں

(مشہور انقلابی مجاہد آزادی حکیم عبد السلام ہزاروی آف ہری پور)

صوبہ سرحد (پاکستان) میں ضلع ہزارہ کا خطہ کئی لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ عقل و دانش میں یہ باوجود سنگلاخ ہونے کے "خطۂ یونان" کہلانے کا مستحق ہے۔ حسن و جمال میں "ترک و تاتار" کو شرماتا ہے۔ اس کی حسین و شاداب وادیاں جو حسن ابدال (پنجہ صاحب) اور اٹک (دریائے سندھ) سے لے کر مظفر آباد، کاغان اور اگرور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کشمیر کی وادی سے زیادہ حسین و روح پرور ہیں۔ رنگا رنگ پھولوں اور مختلف قسم کے پھلوں اور میووں سے لدی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور شاعر کے اس شعر کے مصداق ہیں ؎

اگر فردوس بر روئے زمیں است ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

درہ خیبر کے راستے سے اولو العزموں کے جو قافلے ہندوستان میں داخل ہوئے وہ سب بنگال و کنیا کماری (راس کماری) (پل آدم) کے ساحلوں تک اقتدار کے پرچم لہراتے ہوئے پہنچے۔ لیکن افغانستان کے صوبہ "پاکتیا" سے درہ ٹوچی (میرام شاہ) کے راستے سے "غازی" کے قبیلے "تنی" کے بہادر اور حسن پرست جوان جب "مشکنام ہندوستان" کی نیت سے داخل ہوئے تو ضلع ہزارہ کے دامن میں پہنچ کر رک گئے۔ امب اور دربند آباد کر کے بس گئے۔ اور پاکتیا کی قدیم قومیت (قبائلی) نسبت کی وجہ سے "تنیولی یا تنی وال" کہلانے لگے۔ اسی طرح کئی اور قوموں نے بھی اس "فردوس بروئے زمیں" کو اپنا وطن بنایا۔ ہندوستان کے مجاہد علماء کمپنی بہادر کے عہد میں "اندرا گاندھی" کی بریلی سے روانہ ہوئے تو انہوں نے ضلع ہزارہ کے میدانوں اور وادیوں میں شہادت کے جام نوش کئے۔ علامہ سید انور شاہ مظفر آبادی (کشمیری) نے اسی ضلع ہزارہ کے دار العلوم کا کول میں مولانا فضل الدین سے "دین و دنیا" کے سبق پڑھے۔ اور پھر یہاں سے پرواز کر کے دیوبند پہنچے۔ صحافیوں، قلم کاروں، دانشوروں، شاعروں اور ادیبوں کے سلسلے میں بھی اس ضلع کو ہمیشہ خاص اور بلند مقام حاصل رہا ہے۔ کشمیر و شملہ کی حسین فضاؤں اور مظفر نگر و سہارنپور کے علمی و دینی اداروں کے جتنے چرچے اور افسانے سنے اور سنائے جاتے ہیں وہ سب اپنی جگہ پر حقیقت افروز اور صدافت پر مبنی ہیں بلکہ اس میدان میں بھی اگر گستاخی کی بات نہ سمجھی جائے اور کسی کے "طبع نازک پر گراں نہ گذرے تو صوبہ سرحد کا

ضلع ہزارہ بجا طور پر شاعر کا شعر سکتا ہے کہ ؎

فرہاد و قیس کیا ہیں کہاں کے ہیں فسانے ٹکڑے چرا لیے ہیں کچھ میری داستاں سے

"تکلف برطرف !! اب مندرجہ تمہید کے بعد، مجاہد آزادی حکیم عبدالسلام ہزاروی اور رسوائے عالم غازی کے عشق و آزادی اور محبت کی داستان سماعت فرمائیے۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران جب ۱۹۱۵ء میں ہندوستان کی شمع آزادی کے پروانوں کا قافلہ مہاراجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی کی معیت میں براستہ ہرات کابل (افغانستان) پہنچا۔ غازی امان اللہ خان اور سردار نصر اللہ خان کی کوششوں سے ہندوستان کی پہلی آزاد عارضی حکومت تشکیل عمل میں آئی جس کے صدر مہندر پرتاپ وزیر اعظم مولانا برکت اللہ بھوپالی اور وزیر داخلہ مولانا عبیداللہ سندھی مقرر ہوئے۔ تو غازی کو بھی "شمع آزادی ہند" کے پروانوں میں شمولیت کی تحریک ہوئی۔ اور "پاکینا" سے جذبۂ آزادی سے سرشار ہو کر پہلے پشاور پہنچے اور پیر مقبول شاہ (آف گھنٹہ گھر) کے ہاں قیام کیا اور پھر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ہری پور اترے تو برسر سڑک ایک ایسے نوجوان کو خیر مقدم اور خوش آمدید کرتے ہوئے دیکھا جس کا "سبزۂ خط" مرزا غالب کے محبوب کے "کاکل سرکش" کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اور غازی سے اس ادا کے ساتھ بغل گیر ہوا جیسے کوئی بچھڑا ہوا "سینہ چاک عاشق" اپنے محبوب سے گلے مل کر پرانی یادوں کو تازہ کرنے کی غرض سے ملا کرتا ہے۔ اس "سبز خط" "گلفام نوجوان کا نام "عبدالسلام" تھا جو کچھ عرصہ کے بعد سیاسی دنیا میں مجاہد آزادی انقلابی حکیم عبدالسلام ہزاروی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس نے کہا غازی صاحب ! آپ مرسان ضلع متھرا مہاراجہ مہندر پرتاپ کے گاؤں جا رہے ہیں۔ مجھے بھی رفیق سفر بنانے کی عزت بخشئے۔ چونکہ ان دنوں جنگ جاری تھی۔ اور ضلع ہزارہ اور صوبہ سرحد میں جاسوسی کے بے پناہ جال پھیلے ہوئے تھے۔ اور ضلع ہزارہ کا "شیروان" اس سلسلہ میں خاص طور پر بدنام تھا۔ اور اس کا کردار انگریزوں سے وفاداری کے سلسلہ میں "بشرط استواری عین ایمان" تھا۔ اس لیے غازی گھبرائے اور جواب میں کہا کہ "مرسان" نہیں جا رہا ہوں بلکہ قادیان ضلع گورداسپور جاؤں گا۔ حالاں کہ غازی حقیقت میں مرسان ہی جا رہے تھے۔ اس نے مایوس لہجے میں کہا، کہ آپ مجھ سے حقیقت چھپانا چاہتے ہیں۔ اور مجھے رفیق سفر بنانے سے گھبراتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں آپ میرے گھر چلیئے اور ما حضر تناول فرمائیے۔ غازی نے معذرت کی۔ تو یہ نوجوان برلب سڑک ہی کہیں سے دو نان اور چپل کباب لایا۔ شکم پوری کے بعد غازی نے کہا۔ پیارے !! اب مجھے اجازت دیجیے کہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاؤں۔ اس نے بغل گیر ہو کر اجازت دی اور کہا کہ آپ کی اطلاع مجھے پشاور سے مفتی سرحد مولانا عبدالرحیم پوپلزئی نے دی تھی ؎

اے میرے دل شیدا مت چھپا مجھ سے، جو تو ہے وہی میں ہوں

غازی کو اس نوجوان کی "بر سرِ راہ" چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس قدر سرشار کیا تھا کہ اس سرشاری کا اثر مدرسان متھرا، بندرابن، ہاتھرس اور علی گڑھ تک طاری رہا۔ کٹلیا میں ایک دوسرے نامور فرزند اور علی برادران کے رفیقِ خاص مولانا محمد عرفان سے ملاقات ہوئی۔ جو اب ممبئی کے ساحل پر قیامت کی نیند سو رہے ہیں۔ غازی کے سینڈھ میں قیام کے دوران ہی "پرنس آف ویلز" کا پروگرام "تاج محل" کو دیکھنے کا بنا۔ تو غازی آگرہ پہنچے تاکہ وہ "پرنس آف ویلز" کے خلاف کوئی ہنگامہ بپا کر کے یہ بتا سکیں کہ ہندوستانی ان کے دورۂ ہند سے خوش نہیں۔ مگر سیکورٹی کے انتظامات اور بعض دوسری وجوہات کی وجہ سے کوئی ہنگامہ بپا نہ ہو سکا۔ اور معلوم ہوا کہ اب پرنس آف ویلز" پنجاب اور سرحد کا دورہ کریں گے۔ اس لئے غازی لاہور سے ہوتے ہوئے ہری پور اس نوجوان عبدالسلام ہزاروی کے پاس پہنچے۔ اور اپنے دل کی بات کہی۔ اس مرتبہ یہ نوجوان پوری طرح "ریش و بروت" سے آراستہ و پیراستہ تھے اور پہلے سے زیادہ حسین اور سنجیدہ نظر آرہے تھے۔ اس نوجوان نے غازی سے کہا کہ آپ پشاور میں مفتی سرحد مولانا عبدالرحیم پوپلزئی کے پاس پہنچیں۔ اور وہاں میرا انتظار فرمائیں۔

غازی نے کہا کہ میرے خیال میں ہمارے عمل کا آغاز اٹک کے پل سے ہونا چاہئے۔ اس لئے میں کیمل پور میں میوا رام بھسین کے ہاں انتظار کروں گا۔ لیکن کیمل پور پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں پنجہ صاحب (حسن ابدال) میں غازی دھر لئے گئے۔ اور قلعہ اٹک میں گوروں کی بارک میں کامریڈ لکشمی چند مہرہ کے ساتھ سرکاری مہمان بنے۔ اس کے بعد یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ نوجوان (عبدالسلام) کیمل پور پہنچے یا نہیں، کیا ہوا اور کیا نہیں، لیکن ؎

یاد آتے ہیں بہت آغازِ الفت کے مزے　　عشق و آزادی سیاست کے مزے

غازی کئی سالوں تک قلعہ سپدک (وزیرستان) بنوں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان اور میانوالی کے زندانوں میں "دار و رسن کا منتہا" دیکھنے کے بعد جب قادیان ضلع گورداسپور پہنچے تو کچھ عرصہ تک "خوبانِ قادیان" کی محبت افروز مجلسوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور پھر ایک دن اس کے جذبۂ آزادی نے جو انگڑائی لی تو رونق ہنگامہ ہائے احرار اسلام ہوئے ؎

ناتوانی با جماعت یار باش　　رونقِ ہنگامۂ احرار باش

رونق ہنگامۂ احرار ہونے کے بعد غازی کی شہرت کا چرچا "عبدالسلام" نے ایسی حالت میں سنا جب کہ وہ صرف "عبدالسلام" نہیں بلکہ "حکیم عبدالسلام ہزاروی" کے نام سے شہرت حاصل کر چکے تھے اور ایک دن مجلس احرار اسلام کے دفتر میں تشریف لائے۔ اور بغل گیر ہو کر فرمایا کہ" میں نے تو سمجھا تھا کہ میرا یار غازی کسی میدانِ جہاد میں شہادت کا رتبہ حاصل کر چکا ہے۔ لیکن آپ تو زندہ و سلامت ہیں"! غازی نے عرض کیا ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جن کو مل گیا　　ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!

شہادت کے بلند رتبے چارسدے کے حبیب نور اور مردان کے ہری کشن حاصل کر چکے ہیں اور ع

میرے نامۂ عمل میں نہ شہید ہے نہ غازی

اس کے بعد حکیم عبدالسلام ہزاروی نے فرمایا کہ صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں حریت پسندوں کی حکومت قائم ہو گئی ہے ۔ اور ہیں نے ایبٹ آباد میں ایک پولیٹیکل کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا ہے اور چاہتا ہوں کہ اس کی صدارت کی کرسی پر پنجاب کی کوئی اہم شخصیت رونق افروز ہو۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر کچلو۔ ڈاکٹر ستپال اور شیخ حسام الدین جیسے ہندوستان گیر شہرت کے لیڈروں کے نام سامنے آئے ۔حکیم صاحب کا اصرار تھا کہ کوئی ایسی شخصیت ہو جسے علمی اور مذہبی شہرت بھی حاصل ہو۔ سرحد کے حریت پرست لوگ مسلمان ہیں اور یہ بات قدرتی ہے کہ انہیں کوئی مذہبی شخصیت ہی صدارت کی کرسی پر نظر آئے گی تو مسرت ہو گی ۔اس پر غازی نے عرض کیا کہ ایسی شخصیت تو مولانا عبدالقادر قصوری کی ہی ہے ۔

حکیم صاحب نے اس پر صاد کیا۔ اور ہم دونوں مولانا عبدالقادر قصوری کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔مولانا نے بخندہ پیشانی ہماری درخواست کو قبولیت کا شرف بخشا۔ تو اس کے بعد حکیم صاحب نے فرمایا کہ احرار میں سے کس کس کو مدعو کیا جائے ۔غازی نے کہا کہ بحالات موجودہ مولانا محمد اسمٰعیل ذبیح اور علامہ انور صابری کانفرنس میں شرکت فرما سکتے ہیں ؟ اس پر حکیم صاحب نے فرمایا۔ اور آپ ؟ غازی نے کہا کہ میرے جیسے "برہم زن محفل" کی کیا ضرورت ہے ؟ انہوں نے فرمایا کہ ضلع ہزارہ اور سرحد کے نوجوان آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ خان غازی کابلی جیسے افغان کو "سرخپوشان احرار" نے کیسے پھانس رکھا ہے ؟ اس پر غازی نے کہا کہ اچھا ۔ آپ کی خاطر میں بھی اس حسین خطہ کو دیکھ کر دیدۂ دل کو روشن کروں گا ۔جو پہلے "صدبرگ" تھا اور اب" گل ہزارہ" کہلاتا ہے ۔ اس پر حکیم صاحب زیرِلب مسکراتے اور ان کے چہرے پر قوس و قزح کی لہریں ناچتی ہوئی نظر آئیں ۔اور یہ کہہ کر رخصت ہوتے ہ

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا　　　　بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

خان عبدالغفار خان صاحب کی طویل جلا وطنی کے بعد ایبٹ آباد کی یہ پہلی پولیٹیکل کانفرنس تھی جس میں خان صاحب اور خدائی خدمت گار "ترنگے پرچم" کو "اللہ اکبر" سے مزین کر کے شامل ہوتے ۔بعض غالی قسم کے لوگوں نے نعرہ ہائے تکبیر اور "ترنگے پرچم" پر اللہ اکبر دیکھ کر کھسر پھسر بھی کی ۔مگر عبدالسلام نے نہایت جرأت کے ساتھ انہیں ڈانٹا۔ اور کہا کہ صوبہ سرحد پختونوں اور مسلمانوں کا صوبہ ہے ۔یہاں اللہ اکبر کا وہی مطلب اور اثر ہے جو پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں" انقلاب زندہ باد "کے نعرے کا ہوتا ہے ۔ اس زمانہ میں سرحد کانگرس کے صدر خان غلام محمد خان آف لوند خوڑ تھے ۔جو کانفرنس میں بنفس نفیس شریک تھے ۔صدر کانفرنس مولانا عبدالقادر قصوری کا خطبۂ صدارت سرحد کے حریت پرست لوگوں کے جذبات کی پوری ترجمانی کرنے والا تھا ۔ دوسرے مقرروں کی تقریریں بھی پرجوش اور ولولہ انگیز تھیں ۔مولانا انور صابری کی نظم نے پورے پنڈال میں ہلچل اور زندگی کی لہریں موجزن

کردی تھیں۔ اس نظم کا عنوان تھا "غلام قوم کا سجدہ حرام ہوتا ہے"

حکیم عبدالسلام کے سلسلے میں یہ بات بھی عجیب، دلچسپ اور قابل ذکر ہے۔ کہ اگرچہ ان کے مالی وسائل بے حد محدود تھے اور چندوں کے لئے دامن پھیلانا بھی ان کی عادت میں شامل نہ تھا۔ لیکن وہ ہر جلسہ کا انتظام بغیر کسی چندے کے کیا کرتے تھے۔ اور اس ایبٹ آباد کی کانفرنس کے کرتا دھرتا بھی خود ہی تن تنہا تھے۔ کوئی اور نہ تھا۔ اسی طرح کانفرنس کے خاتمہ پر حکیم عبدالسلام ہزاروی نے سب کو آمد و رفت کے کرائے کے علاوہ ایک معقول رقم بھی پیش کی اور صوبہ سرحد کے تحائف بھی نذر کئے۔ اور غازی کو تو اتنا نوازا کہ اس نے اس رقم سے تمام سرحد کا دورہ کیا۔ اور جب غازی نے حیرت کے ساتھ پوچھا کہ آپ نے اتنی بڑی کانفرنس بغیر کسی مدد اور چندوں کے کیسے کی تو متبسم ہو کر فرمایا کہ ہمت مرداں اور خدا کی مدد سے ہی ایسی کانفرنسیں ہوا کرتی ہیں۔

حکیم صاحب اگرچہ بنیادی طور پر راسخ العقیدہ مسلمان اور سچے محب وطن اور حریت و آزادی کے علمبردار تھے لیکن پارٹی بازیوں اور نام و نمود اور سستی شہرت کے سخت خلاف تھے۔ ہندوستان بھر کے مشاہیر کی خدمت اور میزبانی کا انہیں شرف و اعزاز حاصل تھا ان کے دوستوں اور مہمانوں میں مولانا ابوالکلام آزاد جیسے مفسر قرآن آتش بیان مقرر خطیب بھی تھے۔ اور بلبل ریاض رسول امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی جیسے مجاہد اور متقی و پرہیزگار بھی تھے۔ اور مولانا مظہر علی اظہر و سید فضل حسن حسرت موہانی جیسے بے باک اور جرأت و کردار کے مالک رہنما بھی تھے۔ علی برادران کے تو مولانا محمد عرفان کی طرح عاشق تھے۔

انقلابیوں میں سے سبھاش چندر بوس جیسے بین الاقوامی شہرت کے لوگوں سے ان کے گہرے تعلقات استوار تھے۔ انتہا یہ کہ "قبلہ رندان عالم بدل حضرت جوش خان ملیح آبادی بھی ان کے محبوب شاعر اور دوست تھے۔ اور ان کے اس قسم کے اشعار گنگنایا کرتے تھے۔

اس بے وفا کے حسن پہ شیدا کیا ہے کیوں
نامرد قوم میں مجھے پیدا کیا ہے کیوں؟

ستمبر ۱۹۳۹ء میں "ہٹلر اعظم" اور "مغرب کے کفن چوروں" میں ٹھن گئی تو ہندوستان بھر کے خطرناک انقلابیوں کو "راجستھان" کے "دیولی کیمپ" میں نظر بند کیا گیا اور صوبہ سرحد کے خطرناک انقلابیوں کی نمائندگی کا شرف و اعزاز اس "کیمپ" میں حکیم عبدالسلام ہزاروی کو حاصل ہوا۔ مختصر یہ کہ حکیم صاحب اپنی ذات میں تنہا ایک ادارے کی حیثیت رکھتے تھے اور شاعر کے اس شعر کے صحیح مصداق تھے۔

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

یہ ایک حقیقت تھی کہ حکیم صاحب "آزادی" کے ایک ایسے ہی چراغ تھے جو آزادی کی ہر محفل میں جگمگاتے نظر آتے تھے۔ ایبٹ آباد کانفرنس میں جب مولانا انور صابری کی اس نظم نے ہل چل مچادی تھی جس کا عنوان تھا کہ۔

"غلام قوم کا سجدہ حرام ہوتا ہے" تو حکیم عبدالسلام ہزاروی کی رگِ جمیت اسلامی نے پھڑک کر برسر اسٹیج اعلان کیا۔ کہ "دوستو! خدا کے حضور میں غلامی اور آزادی اور ہر حالت میں سجدہ حلال اور ضروری ہوا کرتا ہے۔ شاعروں کی دنیا ہمیشہ سب سے الگ ہوا کرتی ہے۔ ان کے ظاہری الفاظ پر عمل کر کے سجدہ کو ترک نہ کرنا۔ بلکہ اس کے حقیقی معنوں پر غور کر کے حصول آزادی کے لئے جدوجہد رکھئے

اور کہا کہ شاعر جو کہتے ہیں ان کے ظاہری الفاظ کے معنی اور ہوتے ہیں اور حقیقی معنی کچھ اور ہوتے ہیں اور خواجہ میر درد کا سنایا کہ ؎

ساغرِ زریں ہو یا مٹی کا ہو اک ٹھیکرا　　　تو نظر کر اس پہ جو کہ اس کے اندر ہے بھرا

مختصر یہ کہ بقول غالب ع

قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

حکیم عبدالسلام ہزاروی بھی ملکی سیاست کے ہر پردے میں ایک سچے اور غیور مسلمان ہی نظر آیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک سچے مسلمان ہونے کی وجہ سے ہی حب الوطنی میرے ایمان میں شامل ہے۔

مفتی سرحد مولانا عبدالرحیم پوپلزئی اور حکیم عبدالسلام ہزاروی دونوں میں بعض عادتیں مشترک تھیں۔ مولانا عبدالرحیم صاحب جب کسی شہر میں جایا کرتے تو اس شہر کے قومی کارکنوں سے ملا کرتے تھے۔ اور باوجود کمیونسٹ ہونے کے مذہبی فرائض کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ سفید کھدر کے لباس کو زیب تن کرتے اور سر پر صافہ (سفید پگڑی) باندھتے تھے۔ یہ تمام باتیں بہت حد تک حکیم عبدالسلام ہزاروی میں بھی تھیں۔ غازی نے حکیم عبدالسلام ہزاروی کو ہمیشہ سفید کھدر کے لباس میں ملبوس اور سر پر سیاہ ٹوپی (بالوں والی) سجائے دیکھا۔ اس ٹوپی اور کالی سیاہ "ریش و بروت" کے درمیان ان کا گلفام مکھڑا بے حد حسین اور جاذب نظر آیا کرتا تھا۔ دینی اور مذہبی فرائض کو ہر حالت میں ادا کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ تقسیم وطن سے چند ماہ پہلے غازی کیمل پور اپنے دوست میر احمد شاہ وکیل اور لالہ سیوا رام بھسین سے ملنے گئے تھے۔ حکیم صاحب کو معلوم ہوا تو کیمل پور تشریف لاتے اور میر احمد شاہ وکیل کے دولت کدے پر ملے۔ اس وقت لالہ سیوا رام بھسین اور چند اور نوجوان بھی موجود تھے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ پاکستان کا قیام عمل میں آنے والا ہے۔ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ غازی نے عرض کیا کہ جس دن پاکستان کا قیام عمل میں آجائے گا۔ اس دن غازی پاکستان میں نہ ہوں گے۔ بلکہ افغانستان یا ہندوستان میں ہوں گے۔

حکیم صاحب نے غمگین لہجے میں کہا کہ کیا آپ اپنے دوستوں کو داغ مفارقت دے جائیں گے۔ غازی نے کہا کہ

ہاں! اس لئے کہ میں پاکستان میں منافقانہ زندگی بسر کرنے سے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ ہندوستان چلا جاؤں۔ حکیم صاحب نے کہا کہ ہندوستان میں آپ کی شخصیت علامہ اقبال کے اس شعر کی مصداق ہوگی ؎

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا — اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

ہندوستان کے مسلمان آپ کو کافر سمجھیں گے کہ مسلمان ہوکر پاکستان سے ہندوؤں کے ساتھ ہجرت کرکے چلا آیا ہے اور ہندوستان کے ہندو کہیں گے کہ ہمارے ساتھ یہ پاکستان کا جاسوس آگیا ہے۔ غازی نے کہا کہ میں یہ کوشش کروں گا کہ ان دونوں بلاؤں سے بچ کر رہوں اور جوش خان کا یہ شعر سنایا کہ

اے خدا مجھ کو بلائے کفر و ایماں سے بچا — اپنے ہندو سے بچا اپنے مسلماں سے بچا

اس گفتگو کے دوران نماز عصر کا وقت آیا تو حکیم صاحب فوراً نماز کے لئے اٹھ کر چلے گئے۔ اور نماز پڑھ کر واپس آتے تو یہ کہہ کر رخصت لی کہ ہم اپنے غازی کو کبھی ہندوستان نہیں جانے دیں گے۔

کیمبل پور میں آنا صرف آپ کی ملاقات کی غرض سے ہوا تھا۔ آپ سے ملاقات ہوگئی اور دل کی بات بھی کہہ دی۔ آگے آپ مانیں یا نہ مانیں ؎

مانو نہ مانو "خانِ خاناں" اختیار ہے — ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

اب ہری پور جا رہا ہوں اور لوگ اور مریض میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔

حکیم عبدالسلام ہزاروی سے متعلق بہت سے واقعات کا انبار دل و دماغ کے جھروکوں میں پڑا ہے۔ مگر غازی اس مضمون کو غالب کے اس مصرعہ پر ختم کرتے ہیں ع

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

مکرمی محترمی مولانا سمیع الحق صاحب حقانی۔ — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کو شاید یاد ہوگا "الحق" کی کسی اشاعت میں حکیم عبدالسلام ہزاروی کا ایک مضمون بعنوان "کابل کی مشکبار فضاؤں میں" شائع ہوا تھا اور یہی غازی اور حقانی برادران کے درمیان تجدید دوستی کی بنیاد بنا تھا۔ اس سے حکیم عبدالسلام ہزاروی سے متعلق غازی نے جو یادداشتیں سپرد قلم کرکے قرطاس ابیض پر بکھیریں ہیں اس کی ایک نقل "الحق" میں اشاعت کے لئے ارسال خدمت ہے۔ غازی کو امید واثق ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ اسے شائع کرکے مجاہد آزادی حکیم عبدالسلام ہزاروی کی روح کو شاد اور غازی کو شکر گذاری کا اعزاز بخشیں گے۔ قبلہ مولانا عبدالحق محدث اور دوسرے تمام برادران دارالعلوم حقانیہ کو سلام مسنون قبول ہو ؎

سلامِ شوق بارگاہ تک پہنچے — دھڑکتے دل کی صدا نگاہ تک پہنچے

(خان غازی کابلی)

آپکو بہترین معیار کی جستجو ہے تو آپکا موزوں ترین انتخاب، بے مثال لِنن اور انمول پاپلین

بے مثال، لِنن اور انمول، پاپلین، دیدہ زیب، دیرپا، اعلیٰ معیار اور نفاست میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں۔

- پولی ایسٹر اور ریان سے تیار شدہ
- سُکڑنے سے محفوظ (Evaset)
- مرسرائزڈ، آب و تاب
- شِکنوں سے مبرّا
- واش این ویئر (دھلائی آسان، استری سے بے نیاز)
- دیرپا فنش
- ہر گز پر تیار کنندگان کی مہر

آپکے ذوق کیلئے۔ آپ کی زیبائش کیلئے

محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

پہلے ہاؤس آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی۔

فون: ۲۳۱۵۲۳ - ۲۳۳۰۵۸ - ۲۳۹۹۹۶

قارئین

افکار و تاثرات

جمال الدین افغانیؒ سید عبدالجبار ستھانوی | آج مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی مزاج پرسی کے لئے دفتر برہان گیا تو مئی کا الحق نظر افروز ہوا اس کے صفحہ ۳۹ پر خازن صاحب کے مضمون میں سید جمال الدین افغانی کے سلسلہ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ " افغانی مرحوم کا سلسلۂ نسب سید عبدالجبار استھانوی والئ امب سے جا ملتا ہے۔ اور یہ کہ سید عبدالجبار ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک کے روح رواں اور حضرت سید احمد بریلوی کے رفیق کار تھے۔" مجھے اس سے سخت حیرت ہوئی مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ سید عبدالجبار ستھانوی قادیانی تھے وہ غالباً تقسیم ہند تک حیدرآباد دکن میں بجرم قادیانیت جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اب کہاں ہیں کہاں نہیں۔ اسی طرح کسی کتاب میں نہیں پڑھا کہ سید احمد بریلویؒ کے رفقاء کار میں کوئی سید عبدالجبار ستھانوی بھی ہوا کرتے تھے یا یہ درست ہے کہ کسی نہ کسی واسطہ سے ان کے خاندان سے تعلق ضرور تھا مگر ان کی زندگی میں وہ عدم میں تھے وجود میں ہرگز نہیں۔ اسی طرح سید عبدالجبار امب دربند کے والیوں میں نہیں تھے۔ مقالہ نگار وضاحت فرما سکیں تو بہتر ہوگا۔

خان غازی کابلی کوچہ رحمان دہلی ۶

جماعت مجاہدین | میں ہندوستان سے صرف ایک ہی جذبہ لایا ہوں اور جس کے لئے میں واپسی کے دو دن بعد سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیلؒ کی قائم کردہ جماعت۔ جماعت مجاہدین کے احیاء کا اعلان کیا ہے۔ اور چاہتا ہوں کہ اسے ملک بھر میں منظم کیا جائے اور یہ جماعت خالصتہً مذہبی حیثیت سے کام کرے گی۔ آپ اور سرحد کے غیور علماء اگر اسی سلسلہ میں میری تائید کریں تو یہ مدنی مکتب فکر پر بہت بڑا احسان ہوگا۔

احمد سعید لدھیانوی۔ جامعہ مدنیہ گٹ والا چک ۱۹۹ ر ب شیخوپورہ روڈ

ٹی وی اور مسجد | جنگ ۱۰ر جون کی اشاعت میں طارق عزیز کا یہ بیان کہ ٹی وی میرے لئے مسجد کا درجہ رکھتا ہے۔ شعائر اسلامی کی توہین اس سلسلہ میں احتجاج کی ضرورت ہے مسجد اللہ کے گھر کو بدنجبہ گری کا فن سکھانے والے ادارے سے ملانا شعائر اسلامی کی کھلی توہین ہے۔

محمد منصور الزمان صدیقی ٹرسٹ۔ کراچی

علامہ کیرانویؒ | الحق میں اب کی بار مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ اور اس کے بانی مولانا کیرانوی کے بارہ میں مقالہ نے دل کی کھسک بڑھا دی مجھے مرحوم کی اولاد اور کچھ مدت ہم نشینی کا شرف حاصل ہے

حکیم غلام حبیب ملتانوی ۔ مکھڈ ۔ ضلع اٹک

اسلام کی جامعیت | مئی کا الحق ملا کچھ خیالات پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں ۔ دنیا میں اسطرح کوئی ملک نہیں آتا جن کا اپنا اقتصادی اور مادی انتظام نہ ہو بغیر اقتصادی نظام کے ناممکن ہے ۔ اسلام روحانی تعلیم پر زور دیتا ہے ۔ مگر اس کے اقتصادی اور مادی انتظام سنبھالنے کے پہلو بھی اجاگر کرنے چاہئیں ہم پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے بات زکوٰۃ اور عدلیہ تک کیوں محدود رکھتے ہیں ۔ اگر نہیں تو ہمارے اور دیگر نظاموں میں کیا فرق ہے ۔

ایم احمد ۲۱ ۔ ہملٹن ۔ کینیڈا ۔

صحافت اور علماء دیوبند | الحق فروری / مارچ میں آپ کا مقالہ علماء دیوبند اور میدانِ صحافت قابلِ ستائش ہے ۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق فرمائے ۔ ایک اہم رسالہ الفاروق اردو کا نام رہ گیا ہے ۔ اس کے بانی و مدیر علامہ سید احمد شاہ بخاریؒ فاضلِ دیوبند تھے ۔ ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۰ء یہ رسالہ رفض و بدعت کی تردید میں لاجواب تھا ۔ چرکیرہ ضلع سرگودھا سے نکلتا تھا ۔

ملک نور محمد ہائی سکول شورکوٹ ۔ جھنگ

آپ کی مرتب کردہ فہرست میں اضافہ کیلئے عرض ہے کہ سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کی ادارت میں پندرہ روزہ الاحرار عرصہ سات سال مسلک اہل سنت بالخصوص دیوبندی مکتب کا ترجمان ہے ۔ اسی طرح تحریک طلباء اسلام کا سہ ماہی آرگن تحریک ، سید کفیل بخاری میں شائع ہو رہا ہے ۔ نمونتہً دونوں شماروں کے کچھ پرچے بھی ارسال ہیں ۔

عباس نجمی عبداللطیف خالد چیمہ وطنی ۔ ساہیوال

حق پسندی | حق کی آواز الحق کے ذریعہ بلند کرنے والا سوچ اور دل رکھنے والوں کا حلقہ جس قدر وسیع ہوتا جائے گا ۔ وہ جو خواب علامہ اقبالؒ نے دیکھا تھا شرمندۂ تعبیر ہو کر رہے گا ۔

سید اسناد حسین باغ آزاد کشمیر

الحق کلمہ حق بلند کرنے کی جو خدمات انجام دے رہا ہے ۔ دل سے ہدیۂ تبریک قبول فرمائیں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ زادہ اللہ تشریفاً وتکریماً نے کلمہ حق عند سلطان جائر کی جو مثالیں پیش کی ہیں قابلِ مثال ہیں اللہ تعالیٰ سب کو اجرِ جزیل عطا فرمائے ۔

عزیز زبیدی وار برٹن ۔ شیخوپورہ

افغان مجاہدین | یہ جان کر بے حد مسرت ہوتی ہے کہ افغان مجاہدین کے اکثر زعماء اور سرفروشوں کا تعلق دارالعلوم حقانیہ سے ہے اور حضرت شیخ الحدیث کے شاگردوں میں شامل ہیں ۔ ہمارے ہاں ملتان میں مجاہدین اور مہاجرین کے حق میں فضا ہموار ہو رہی ہے ۔

قاسم نیازی فیضل میڈیکل سٹور ۔ ملتان

شفیق فاروقی

دارالعلوم حقانیہ کے شب و روز

● دارالعلوم میں بارہ شعبان کو تعلیمی سال ختم ہوا اور ۱۰ شوال تک تعطیل رہی۔ البتہ دفاتر اہتمام۔ الحق ــــــ مؤتمر المصنفین اور دارالافتاء کے دفاتر بدستور مصروف کار رہے۔ اب ۱۰ شوال سے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ طلباء نہایت کثرت سے آ رہے ہیں۔ تمام قدیم اساتذہ کے علاوہ نئے اساتذہ کا بھی اضافہ ہوا جن میں حضرت مولنا مصطفیٰ احسن صاحب فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی تقرری حکومت سعودی عرب کی دارالافتاء والبحوث کی طرف سے ہوئی ہے۔

● عیدالفطر کے عظیم اجتماع سے حسب معمول حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے خطاب فرمایا۔ پچھلے سال آپ نے عیدگاہ میں توسیع کے لئے اپیل کی تھی مقامی بلدیہ کے چیئرمین وارکان کی مساعی سے دو کنال زمین حاصل ہو گئی اور اب اسکی احاطہ بندی وغیرہ کے مراحل درپیش ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے حاضرین سے اس کے لئے مدد کی اپیل کی جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔

● حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی ملاقات اور دارالعلوم حقانیہ دیکھنے کے لئے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے داماد حضرت مولانا رشید الدین صاحب مدظلہ مدرسہ شاہی مرادآباد ۱۵ر اگست کو دارالعلوم تشریف لائے ایک رات قیام کے بعد دوسرے دن واپس ہوئے۔

● ۱۲ر اگست صدر پاکستان کی دعوت پر منعقد شدہ علماء کنونشن اسلام آباد میں صدر محترم کی دعوت پر مولانا سمیع الحق صاحب نے شرکت کی اور کنونشن میں خطاب کے دوران صدر پاکستان کو اپنی تجاویز و خیالات سے آگاہ کیا۔ دوسرے دن پاکستان ٹیلی ویژن نے اپنے قومی پروگرام میں کنونشن کے بارہ میں ایک انٹرویو کے ذریعہ مولانا کے تاثرات نشر کئے جنہیں پورے ملک میں سراہا گیا۔

تعارف و تبصرہ

تاریخ مکۃ المکرمہ ——— تالیف : محمد عبدالمعبود ——— ضخامت : ۴۸۰ ، سائز ۲۳×۳۶/۱۶

کتابت و طباعت نفیس ——— قیمت : مجلد پلاسٹک کور ۳۰ روپے

ناشر : مکتبۃ الحبیب ۔ پھولوں والی مسجد ۔ رحمان پورہ ۔ راولپنڈی

مکہ مکرمہ کا مقدس شہر جو نہ صرف کرۂ ارضی کی تخلیق کا موجب ہے ۔ بلکہ کروڑوں مسلمانوں کا قبلہ وجوہ بھی ہے جس کے ساتھ ایمانی ، روحانی ، مذہبی ، ملی ، تاریخی اور تہذیبی یادیں وابستہ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو ایسی عدیم النظیر عظمت و جلالت سے سرفراز فرمایا کہ تمام روئے زمین کے بلاد و امصار پر فضل و مجد میں گوئے سبقت لے گیا ہے ۔ اس کی فقید المثال بزرگی و برتری اس بات سے ظاہر ہے کہ رب کائنات نے اپنے جلیل القدر گھر " بیت اللہ " کے لئے اسی خشک و سنگلاخ سرزمین کو منتخب فرمایا ۔ یہ بستی ایسی ذی وجاہت اور پرشکوہ ہے کہ آج تک غیر مسلم اقوام کے حملے سے محفوظ و مامون رہی ہے ۔ اگر کسی بد باطن نے اس پر حملہ آور ہونے کا عزم کیا تو وہ ابرہہ کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا ۔

اگرچہ سیدنا آدم علیہ السلام نے عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر اسی دلربا شہر میں تعمیر فرمایا تھا لیکن سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی تعمیر نو نے اس کے شرف و مجد کو چار چاند لگا دئے ۔ مزید برآں سرور کونین رحمت دارین حبیب خدا اشرف انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے اس کی عظمتوں ، رفعتوں اور برکتوں کو اور بھی دوبالا کر دیا ۔

مکہ معظمہ کے حالات واقعات پر عربی زبان میں بڑی بڑی مبسوط کتابیں موجود ہیں ۔ مگر اردو زبان میں اس موضوع پر اب تک کوئی قابل ذکر کتاب دیکھنے میں نہیں آئی ۔ فاضل مؤلف نے انتہائی محنت ، کاوش اور عرق ریزی سے لاکھوں صفحات پر بکھرے ہوئے انمول موتیوں کو جمع فرما کر تاریخ اسلام میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کر دیا ہے ۔

موصوف نے مکہ معظمہ کی تہذیبی ، تمدنی ، معاشرتی ، ارتقائی اور جغرافیائی مکمل تاریخ پوری شرح و بسط اور تفصیل کے ساتھ ارقام فرمائی ہے ۔ علاوہ ازیں غیر مسلم مورخین جو کعبتہ اللہ اور مکہ مکرمہ پر بے بنیاد اعتراضات کرتے رہے ہیں ان کے انتہائی ٹھوس اور مدلل جوابات انہی کی کتابوں سے دئے ہیں ۔ زیر نظر کتاب انتہائی جامع ، مدلل اور مفصل نادر اور نایاب تاریخی دستاویزات کا قابل قدر مرقع ہے ۔ جو ظاہری اور معنوی حسن و زیبائش سے مزین ہے ۔

مؤلف کا یہ نقش ثانی ہے جب کہ نقش اول تاریخ المدینۃ المنورہ کو اس قدر پذیرائی نصیب ہوئی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دوسرا ایڈیشن بھی ختم ہو گیا ۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس سعی کو مشکور فرمائے ۔ اور عامۃ الناس کو اس سے مستفید فرمائے ۔ اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا ضروری اور انتہائی مفید ہے ۔

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کی
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

دِلکش
دِلنشیں
دِلفریب
کنول لنن، صنم پاپلین
بے نظیر پاپلین
کہکشاں پرنٹس
سنگم بوسکی
مایہ ناز پاپلین
کمانڈر پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۳۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰ لان
۲- ڈائمنڈ ٹسر
صنم ڈیلکس پاپلین
پول کارڈ
سوٹنگ
حُسین
کے
پارچہ جات
حُسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حُسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حُسین ٹیکسٹائل ملز
حُسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن
HTM—1/77
(C) Crescent

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
SOHRAB
سُہراب

Adarts

CAR-1/80(F)